اہل سنت و جماعت کا ترجمان

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

PAIGHAM-E-SHARIAT

Monthly

JUNE - 2021 | شمارہ=۵ | جلد ۶ | شوال المکرم ۱۴۴۲ھ

ایک شمارہ کی قیمت 20 روپے، سالانہ زر تعاون 200 روپے، بیرون ممالک کے لیے 50 ڈالر خلیجی

ماہنامہ **پیغام شریعت** دہلی
مکتبہ رضائے مصطفیٰ
مکان نمبر ۴۲۲ پہلی منزل گلی مٹیا محل جامع مسجد دہلی

PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No.422 1st Floor Gali Matia
Mahal Jama Masjid Delhi-110006
+918090753792
Email:Paighameshariat@gmail.com
IDFC FIRST BANK
A/c Name:Paigham e shariyat
A/c No. 10063056966
IFSC CODE: IDFB0020123

فہرست مضامین

اداریہ

مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ میں صدر الشریعہ کا کردار

تحریر: مفتی فیضان المصطفیٰ قادری

مسلکِ اعلیٰ حضرت کی تبلیغ واشاعت میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ خانوادۂ رضویہ کے بزرگوں کو بھی اعتراف رہا ہے کہ حضور صدر الشریعہ بڑے ذی اثر آدمی تھے، وہ چاہتے تو اپنا مدرسہ بنا لیتے، اپنا سلسلہ بیعت شروع کر لیتے، مگر انھوں نے تمام امور میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کو ہی اپنا مرکز عقیدت بنایا، اور اپنی تبلیغ واشاعت کا محور امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی تعلیمات کو بنایا۔ وہ ہندوستان کے اپنے دور کے سب سے بڑے مدرس تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ میں یکتائے روزگار تھے، جن ذکی ونقاد طلبہ کو کہیں آسودگی نہیں ہوتی تھی وہ بارگاہِ صدر الشریعہ میں پہنچ کر بھرپور سیراب ہوتے تھے، ان کے تلامذہ ان کے عز وشرف کا بہت بڑا ذریعہ تھے، مگر انھوں نے اپنے تمام تعلقات تعلیماتِ رضا کی ترویج واشاعت کے لیے استعمال کیے۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ جب دوسری بار حج کے لیے حرمین طیبین کو حاضر ہوئے، عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی تصنیف لطیف ''شمائم العنبر'' پر علمائے عرب سے تقریظات لینی شروع کیں، اور اعلیٰ حضرت کو وہیں سے مکتوب لکھا جس کا ایک جملہ یہ تھا: میں نے اس کام کو طواف وغیرہ مستحبات پر بھی مقدم رکھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی تائید وحمایت حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ امر اہم ہے کہ اس کو مستحبات پر بھی فوقیت اور ترجیح دی جائے۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ چاہتے تو حرمین طیبین میں صحاح ستہ کا درس دینا شروع کر دیتے، جس سے آپ کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا۔ فقہ وحدیث کی اجازت دینی شروع کرتے تو علمائے حرمین میں ایک بڑی تعداد آپ کے مجازین کی ہوتی، آپ کا سلسلہ درس وتلمذ عالم عرب تک وسیع ہو جاتا، مگر آپ نے اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو ان سب امور پر ترجیح دی، یہ آپ کی یہی مخلصانہ کوششیں تھیں کہ آپ کا اپنا حلقہ مسلک اعلیٰ حضرت پر کاربند رہا۔

بریلی شریف قیام کے دوران آپ منظر اسلام میں تدریسی فرائض انجام دیتے، پورا دن اسی میں صرف ہوتا، دوپہر بعد پھر شام میں گئی رات تک اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیفات کی ترتیب وطبع واشاعت پر لگاتے، کتابت کی پروف ریڈنگ خود ہی کرتے، فتاویٰ رضویہ شریف کی جلد اول آپ ہی کی نگرانی میں طبع ہوئی، یہی وجہ ہے کہ اس میں کتابت کی غلطی نظر نہیں آتی، خصوصاً اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن کنز الایمان کے لیے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ترجمہ کی گزارش کی، ادھر سے وقت کی قلت کا شکوہ سامنے آیا، مگر ضرورت کا لحاظ بھی رہا اور قیلولہ کا وقت اس کام کو دیدیا گیا، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ صبح سے تدریسی مصروفیات میں لگے رہتے، ان سب مصروفیات سے فارغ ہو کر بارگاہِ رضا میں اپنا کاغذ وقلم لے کر پہنچ جاتے، قرآنی آیات کی تلاوت ہوتی اور زبان امام سے ترجمہ ارشاد ہوتا، اور صدر الشریعہ قلم بند کرتے چلے جاتے، جس قدر ترجمہ ہو جاتا، صدر الشریعہ رات میں آ کر کتب تفاسیر سے ملاتے، اس طرح وہ ترجمہ قرآن مکمل ہوا۔ اور دنیا کو بے مثال اردو ترجمہ قرآن مل گیا۔

مطبع اہل سنت بریلی کے پلیٹ فارم سے تصنیفاتِ رضا کی طبع واشاعت کا جو عظیم کارنامہ صدرالشریعہ نے انجام دیا ہے اس کی بھی ایک سنہری تاریخ ہے، اور جو لوگ تصنیف وتالیف اور طبع واشاعت سے شغل رکھتے ہیں انھیں اس راہ کی دشواریوں کا اچھی طرح اندازہ ہوگا، ہر دور میں ان کاموں کو موثر انداز میں انجام دینے کے لیے مستقل افراد رکھے جاتے ہیں، ایک فل ٹائم مدرس یہ کام بخوبی انجام نہیں دے سکتا، مگر صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے قیام بریلی شریف کے دوران کام کی مشین بن کر تن تنہا اس قدر کام انجام دیدیے جو ماہرین کی ایک انجمن کے لیے مشکل ہے۔

مشرقی یوپی کا خطہ اعظم گڑھ بدعات وخرافات کی رسموں سے بھرا پڑا تھا، حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ پورا سال تدریسی مصروفیات میں اپنے وطن سے دور گزارتے تھے، مگر جب گھر پہنچتے تو عوامی سطح پر تعلیمات رضا کو نافذ کرنے کی کوشش کرتے، چنانچہ آپ کے اپنے قصبہ گھوسی میں خرافات کا یہ عالم تھا کہ محرم میں یہاں کی تعزیہ داری پورے خطے کی مشہور ترین تعزیہ داری ہوتی جسے دیکھنے دور دور سے لوگ آتے تھے، اس میں سنی مسلمان بھی خوب اہتمام کرتے، مگر صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی کوششوں سے اس علاقے میں اہل سنت وجماعت کے افراد نے تعزیہ داری سے علاحدگی اختیار کی اور اب اس پورے خطے میں تعزیہ داری روافض کا شعار مانی جاتی ہے۔ شادی بیاہ کی غیر شرعی رسم ورواج پر صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے روک لگائی۔ یوں ہی جیسے ہر طرف جمعہ کی اذانِ خطبہ مسجد کے اندر ہوتی تھی گھوسی کا بھی یہی حال تھا، مگر صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے یہاں تعلیمات رضا کے مطابق اذانِ خطبہ کو درست مقام پر پہنچایا، اور اب اس خطے میں کہیں بھی اذانِ خطبہ اندرون مسجد نہیں ہوتی۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی زمین خدمت کی یہ بہترین مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اپنے عہد میں تعلیمات رضا کے سب سے بڑے نقیب مانے جاتے تھے۔

دوسری طرف اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو صدرالشریعہ پر کلی اعتماد تھا، اتنا اعتماد کہ اپنا وکیل بالبیعۃ آپ کو بنایا، اور اپنی نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت میں غیر مشروط طور پر آپ کو شامل کیا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ جنازہ کی نماز ہر مسلمان کے لیے اس دنیا کا آخری معاملہ ہے، اس آخری معاملے کو کسی کے حوالے کر دینا کس قدر اعتماد بتاتا ہے۔ چنانچہ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اس در کے ایسے مخلص اور وفادار ہوئے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی رحلت کے بعد بھی کبھی ایک آن کے لیے آپ کی وفاداری تبدیل نہ ہوئی، بلکہ آپ کی رضویت کا ایک خاص رنگ تھا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا عرس ابتداءً بارش کے موسم میں پڑا، آپ اس وقت اجمیر شریف میں قیام پذیر تھے، عرس رضوی میں شرکت کے لیے بریلی شریف آئے، تو معلوم ہوا کہ ذمہ داروں نے عرس کو بارش کے سبب آگے بڑھا دیا ہے، آپ نے برجستہ فرمایا:
"آپ لوگ عرس رضوی جب بھی کریں فقیر تو اصل تاریخ پر ہی عرس کے لیے حاضر ہوا کرے گا"۔ یہ برجستگی والہانہ لگاؤ کی عکاس ہے۔

تعلیماتِ اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کے لیے صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی بے لوث خدمات ہی کی بنا پر خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے حضور صدرالشریعہ پر نوازشات کے خوب بارش برسائی، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے چوبیس گھنٹوں میں ایک ایک منٹ آپ کے علمی وتجدیدی کاموں کے لیے متعین تھے، دو چار منٹ نکالنا بھی مشکل تھا، یہاں تک کہ کنز الایمان کے لیے قیلولہ کا وقت نکالا گیا، ایک بار خود اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ فتویٰ نویسی کی مصروفیات اس حد تک پہنچ گئیں کہ فقہا نے ایسے مفتی کو سنن موکدہ تک چھوڑنے کی رخصت دی ہے، اگر چہ اعلیٰ حضرت نے ایسا نہ کیا۔ ان مصروفیات کے باوجود بہار شریعت کے ابتدائی چھ حصے صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے حضور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں پیش کیے، اور امام اہل سنت نے انھیں حرفاً حرفاً ملاحظہ کیا، بلکہ تین حصوں پر تقریظ بھی عطا فرمائی، جس سے بہار شریعت کے مسائل کے

اعتماد واستناد کا گراف بہت بلند ہو گیا۔

اس تقریظ میں امام اہل سنت نے بہار شریعت کے مسائل کو محقق اور منقح قرار دیا ہے۔فرماتے ہیں:''الحمدللہ مسائل صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا، آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی''۔

خود صدر الشریعہ علیہ الرحمہ چھٹے حصے کے اختتام پر فرماتے ہیں:

''اس کتاب کی تصنیف شب بستم ماہ فاخر ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ کو ختم ہوئی اور تھوڑے دنوں بعد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ الاقدس کو سنا بھی دی تھی......اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کا رسالہ انوار البشارۃ پورا اس میں شامل کر دیا، ہے یعنی متفرق طور پر مضامین بلکہ عبارتیں داخل رسالہ ہیں، کہ اولاً تبرک مقصود ہے دوم اُن الفاظ میں جو خوبیاں ہیں فقیر سے ناممکن تھیں، لہٰذا عبارت بھی نہ بدلی''۔(بہار شریعت ششم ص ۱۸۴)

اس دور کے عوام وخواص کے لیے یہ سب کچھ درس ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تعلیمات پر قائم رہنا ہم پر فرض ہے، اور ان کی ترویج واشاعت کے لیے ہمہ دم کوشاں رہنا ہمارے اکابر کا شیوہ اور طریق رہا ہے، اسی پر ہمیں کاربند رہنا چاہیے۔

عالم بنانے والی کتاب:

بہار شریعت کا ایک مشہور ٹائٹل ہے''عالم بنانے والی کتاب''، اور یقیناً یہ کتاب کوئی شخص توجہ اور حضور ذہن کے ساتھ مطالعہ کر لے اور پھر مطالعہ میں رکھے تو اس دور کا وہ زبردست عالم دین ہوگا۔لیکن آج کل کچھ لوگوں کو اس نام پر اعتراض ہو گیا ہے۔جو علما اور جو کتابیں ہماری جماعت میں مستند مانی جاتی ہیں ان پر یوں تنقید نہیں کرنی چاہیے کہ ان پر قوم کو جو اعتماد ہے وہ متزلزل ہو جائے، مصلحت اسی میں ہے۔خصوصاً امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور ان کے تلامذہ وخلفا پر اور ان کے علمی کارناموں پر ہرگز تنقید نہیں کرنی چاہیے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے عالم کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ جو عقائد میں مستقل ہو اور ضرورت کے مسائل کتابوں سے نکال سکے، اس تعریف کے پیش نظر آپ بہار شریعت کے مسائل کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوگا کہ اصول وفروع کے جس قدر مسائل اس میں بیان کر دیے گئے ہیں یقیناً ان کا اچھی طرح سمجھ لینا اس دور میں عالم بننے کے لیے کافی ہے۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں موجود بڑے بڑے علما جن کو علما مانا جاتا ہے وہ بھی بہار شریعت کے مسائل پر حاوی نہیں، بلکہ فقہ کے بہت سارے ابواب میں انھیں بہار شریعت کے مطالعہ کی سخت ضرورت ہے۔پاکستان کے اہل سنت کے ایک مشہور عالم دین مفتی محمد اکمل صاحب کا بہار شریعت کے اس ٹائٹل پر ایک کمنٹ سن کر بہت افسوس ہوا، جب کہ ہماری جماعت کے مفتیان کرام کا اولین مرجع بہار شریعت ہوتا ہے، یا پھر وہ بہار شریعت سے سیراب ہو چکے تو بھی بہار شریعت کا یہ احسان ان پر کم نہیں کہ ان کی علمی نشو ونما میں بہار شریعت کا بہت اہم رول رہا ہے، ایسے علمائے کرام کو چاہیے کہ اپنی مستند میراث کا اعتماد باقی رکھنے کی کوشش کریں، نہ کہ اپنی نابالغ تحقیقات کی بنیاد پر کسی مسئلے کو موضوع بنا کر اس معتمد کتاب کو ہی نشانہ بنائیں۔ہم نے بہت دیکھا کہ جو لوگ بھی بہار شریعت پر اعتراض کر دیتے ہیں وہ حصہ عبادات کا کوئی مسئلہ بطور مثال پیش کرتے ہیں، کیوں کہ اسی قدر مسائل ان کی دسترس میں ہوتے ہیں، حالانکہ یہی وہ حصے ہیں جن کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمایا ہے اور انھیں محققہ ومنقحہ قرار دیا ہے۔بہار شریعت پر ایرادات کا تجزیہ ہمارے ایک تحقیقی مقالے کا موضوع ہے، جو زیر ترتیب ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جلد پایہ تکمیل تک پہنچا دے، ہم نے اس میں غیروں کے ایرادات کے ساتھ اپنوں کے تمام ایرادات کا بھی جو ہم تک پہنچ سکے تجزیہ کیا ہے، جن میں ایک بھی ایسا نہیں جو یہ ثابت کر سکے کہ بہار شریعت کا کوئی مسئلہ غلط ہے، کئی مقامات پر ایسا ہوا کہ دو مصحح قول موجود ہیں جن میں سے صدر الشریعہ نے عوام الناس کے لیے

ایک قول لیا اور کچھ محققین نے دوسرا قول لیا، یا پھر آپ نے حالات زمانہ کے اعتبار سے کسی ایک قول کو اختیار کیا۔ ہمارے اکابر علما جو اعلیٰ حضرت اور ان کے خلفا سے علمی اختلاف کو ہوا دینے سے منع کرتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر بات میں دم ہو تو بھی یہ مصلحت کے خلاف ہے، اصول و فروع دونوں میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بیان کردہ تفصیلات پر قائم رہنے میں ہی بھلائی ہے، اس قسم کے ایرادات و تنقیدات پوری تعلیمات کو مشکوک بنا دینے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ کام ایسے لوگ کرتے ہیں جو خود بیشمار غلطیاں کر کے بیٹھے ہوتے ہیں، حالانکہ علمائے کرام نے اس بنیاد پر بھی علما کو اعتماد و استناد کا سرٹیفیکیٹ دیا ہے کہ ان کا صواب ان کی خطا پر غالب ہے۔ بہار شریعت کے کسی مسئلے پر کسی کو اطمنان نہیں ہو رہا ہے تو اپنے سے بڑے مفتی سے دریافت کرنا چاہیے، نہ کہ بہار شریعت کو ہی نشانہ بنایا جائے۔ خود مفتی محمد اکمل صاحب سوشل میڈیا پر لوگوں کے شرعی سوالات کے جوابات کثرت سے دیتے ہیں اور اس دوران ان سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں، ان کی غلطیوں کو شمار کرایا جائے تو ایک لمبی فہرست بن جائے گی، فروع تو فروع ان سے تو اصول میں بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں، کچھ سال قبل مسئلہ تکفیر میں ان سے جو خطا ہوئی اس سے سبھی لوگ واقف ہیں، اس تحریر کے ذریعہ میں ان سے صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی خطاؤں پر گرفت شروع کی جائے اور ان کی بنا پر آپ کی حیثیت واقعی کو چیلنج کیا جائے تو اس طرز عمل کی مضرتوں کا اندازہ ہوگا، اس لیے ہمارے علمائے کرام کو اپنے اکابر علمائے کرام کی قدر شناسی کرنی چاہیے، کسی مسلے پر تحفظات ہوں تو عوام الناس میں ہرگز ڈسکس نہیں کرنا چاہیے، لوگوں کو اکابر کی خدمات کے ساتھ ان کے احترام و اکرام کا درس دینا چاہیے نہ یہ کہ ان کے خلاف کسی قسم کا کمنٹ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل خیر اور حسن ظن کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فیضان المصطفیٰ قادری
Faizanulmustafa@yahoo.com

بزم سوالات

مفتی فیضان المصطفیٰ قادری

نعلین پاک کے نقش والی ٹوپی پہن کر بیت الخلامیں جانا کیساھے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایسی ٹوپی جس پر نعلین پاک کا نقشہ بنا ہوا ہو اسے پہن کر باتھ روم میں جانا جائز ہے یا ناجائز؟ جواب کو مدلل اور مفصل طریقے سے بیان کریں۔ المستفتی: محمد جاوید اقبال رضا قادری رضویہ نارووال پنجاب پاکستان

الجواب بعون الملک الوھاب:

جس ٹوپی پر نعلین شریفین کا نقش ہو پہن کر بیت الخلا میں جانا اگر بطور استخفاف نہ ہو بلکہ محض سر چھپانے کے ارادے سے ہو تو شرعاً ناجائز تو نہیں، کہ فقہائے کرام نے یہ ممانعت کلمات مقدسہ سے متعلق ارشاد فرمائی، جب کہ ان کا نقش ظاہر ہو، چنانچہ درمختار وردالمحتار میں ہے: رقیة فی غلاف متجاف لم یکرہ دخول الخلاء به والاحتراز افضل.

یعنی تعویذ ایسے غلاف میں جو تعویذ سے جدا ہو بیت الخلا میں لے جانا مکروہ نہیں۔ مگر بچنا بہتر ہے۔

اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

الظاھر ان المراد بھا ما یسمونه الآن الھیاکل والحمائل المشتمل علی الآیات القرآنیة فاذا کان غلافه منفصلاً عنه کالمشمع ونحوہ جاز دخول الخلاء به ومسه وحمله۔ (ردالمحتار ۱/۳۲۲)

یعنی ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ تعویذات ہیں جنھیں ہیکل اور حمائل کہتے ہیں، جن پر قرآنی آیات لکھی ہوں۔ تو اگر اس کا غلاف اس سے جدا ہو جیسے موم وغیرہ میں لگائے گئے تعویذ' تو ایسے تعویذ کے ساتھ خلا میں جانا اور اسے چھونا اور اٹھانا جائز ہے۔

لیکن ایسی ٹوپی پہن کر بیت الخلا میں جانا تقاضائے محبت اور ادب واحترام کے خلاف ضرور ہے۔ کہ علمائے کرام نے ادب واحترام میں مقدس اشیاء کے نقشے کو ان کے اصل کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اپنے رسالہ "شفاء الواله فی صور الحبیب ومزارہ ونعاله" میں فرماتے ہیں:

"علمائے کرام نے نعل مقدس کے نقشے کو نعل مقدس کا قائم مقام بنایا اور اس کے لیے وہی اکرام واحترام جو اصل کے لیے تھا ثابت ٹھہرایا، اور اس نقشہ مبارک کے لیے خواص وبرکات کا ذکر فرمائے اور بلا شبہہ وہ تجربے میں آئے۔ علامہ تاج الفاکہانی "فجر منیر" میں فرماتے ہیں: لانه ناب مناب الاصل کما قد ناب مثال نعله الشریفة مناب عینھا فی المنافع والخواص بشھادة التجربة الصحیحة ولذا جعلوا له من الاکرام والاحترام ما یجعلون للمنوب عنه. یعنی یہ (روضہ اقدس کا نقشہ) اسی اصل کے قائم مقام ہے جیسے نقشہ نعل مقدس منافع وخواص میں بالیقین اس کا قائم مقام ہے، جس پر صحیح تجربہ شاہد عدل ہے، ولہٰذا علمائے دین نے نقشے کا اعزاز واعظام وہی رکھا جو اصل کا رکھتے ہیں۔ (ملتقطاً شفاء الوالہ از فتاویٰ رضویہ جدید جلد ۷ صفحہ ۲۵۲، ۲۵۳ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

اس سے واضح ہوا کہ نعلین شریفین کا نقشہ بھی ادب واحترام میں اصل کا حکم رکھتا ہے۔ لہٰذا اسے ایسے سلوک سے بچایا جائے گا جو احترام سے خالی ہو۔

لہٰذا معاذ اللہ اگر اس کے دل میں نعلین شریفین کی حرمت نہ ہو اور بطور استخفاف ایسا کرے تو کفر ہے، جو کسی مسلمان سے متصور نہیں۔ اور اگر استخفاف تو نہیں، لیکن اس کے احترام کی طرف توجہ نہ گئی تو بھی آداب محبت کے خلاف ہے۔ پھر اگر ایسی ٹوپی پہننے والے شخص کے پاس دوسری سادہ ٹوپی یا رومال ہو جس سے وہ اپنا سر ڈھک سکتا ہے تو اسے

چاہیے کہ نعلین شریفین کے نقش والی ٹوپی بیت الخلا میں نہ لے جائے۔
اور مجبوراً اس سے محض سر چھپانا مقصود تھا اور اس کے علاوہ کوئی اور کپڑا نہ تھا جس سے سر چھپا سکے تو حرج نہیں۔ فان الامور بمقاصدھا. مگر بچنا بہر حال افضل ہے۔
اسے چاہیے کہ ایسے کپڑے استعمال نہ کیا کرے جس پر مقدس اشیاء کے نقش بنے ہوں۔ کہ ٹوپی اور کپڑے پہن کر ہر جگہ آنا جانا رہتا ہے، اور علمائے کرام نے فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منسوب چیزوں کا بھی ویسا ہی احترام ہے جیسا کہ ان اصل اشیاء کا، پھر ہر جگہ ایسے متبرک نقوش لیے پھرنا ضرور اس کی بے ادبی ہے۔ جس سے احتراز کرنا چاہیے۔
جو لوگ سر پر نعلین شریفین کا نقش رکھنا چاہیں انھیں چاہیے کہ نعلین شریفین کا ایسا نقش حاصل کریں جو ٹوپی اور کپڑے سے جدا ہو، اور اسے اوقات اہتمام واحترام میں ٹوپی عمامہ پر سجائیں اور عام اوقات میں اسے سنبھال کر مناسب جگہ رکھ دیں۔ اسی طرح اگر کسی ٹوپی پر نعلین شریفین کا نقش بنا ہوا ہو تو ایسی ٹوپی احترام کے ساتھ سر پر رکھی جائے۔ اور اسے ہمہ دم نہ لگا رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: **فیضان المصطفیٰ قادری غُفر لہ**
۱۳؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

زمین برائے فروخت کی زکاۃ کا مسئلہ

سوال: مفتیان کرام رہنمائی فرمائیں!
بروکرس یعنی دلال نے زمین کا ایگریمینٹ کیا یعنی زمین خریدنے کا معاہدہ ہوا اس کا پیسہ نہ دیا بلکہ مالک زمین سے یہ طے کیا کہ تم نے زمین مجھے دیا مثلا چار لاکھ میں۔۔ اب جب وہ زمین میں کسی اور کو بیچوں گا تو تمہیں تمہاری زمین کے چار لاکھ دئے جائیں گے۔ اور دلال چار لاکھ کے اوپر قیمت پر فروخت کرتا ہے۔
سوال یہ ہے کہ دلال نے جس زمین کا ایگریمینٹ کیا (تجارت کے لیے) کیا اس کی زکوٰۃ نکالی جائے گی؟ اس زمین سے جو منافع ہوئے اس پر زکوۃ واجب ہوگی؟ یا کل رقم پر؟ دوسرے مسئلہ کا جواب تفصیل سے سمجھا دیں کرم ہوگا۔
المستفتی: عبدالرحمٰن امجدی

الجواب بعون الملک الوهاب:
اگر سائل کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ اس زمین کی زکاۃ مالک زمین بائع پر ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ:
زمین کی زکاۃ مالکِ زمین پر تب ہے جب کہ تجارت کے لیے ہو، ورنہ زمین کی زکاۃ نہیں۔ ہاں جب اسے فروخت کر دے اور اس کا ثمن وصول کر لے تو زرِ ثمن پر دیگر شرائط وتفصیلات کے ساتھ زکاۃ کا حکم ہوگا۔
مسئلہ مسئولہ میں جب دلال اور مالک زمین کے مابین زمین کی بیع کا معاملہ ہو گیا اور مالک زمین نے مثلاً چار لاکھ میں زمین دلال کو فروخت کر دیا اور دلال نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تو وہ زمین مالک کی ملکیت سے نکل چکی، اگر چہ دلال نے ابھی ثمن ادا نہ کیا اور فروخت ہونے کے بعد ثمن ادا کرنے کو کہا۔ اب اس زمین کا ثمن مثلاً چار لاکھ جو اس بائع کی جائیداد کا ثمن ہے مشتری پر دین ہے اور یہ دین دین متوسط ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ زمین بیچنے کے وقت سے اس کے ثمن کی زکاۃ بائع پر سال بسال واجب ہوگی اور ادائیگی تب واجب ہوگی جب بقدر نصاب یا کل وصول ہو جائے۔ درمختار میں ہے:
وعند قبض مائتين من غيرها أي من بدل مالٍ لغير تجارة وهو المتوسط كثمن سائمة وعبيد خدمة ونحوهما مما هو مشغول بحوائجه الاصلية كطعام وشراب وأملاك، ويعتبر ما مضى من الحول قبل القبض في الأصح.
اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:
قوله: (بحوائجه الأصلية) قيد به اعتباراً بما هو الأحرىٰ بالعاقل أن لا يكون عنده سوى ماهو مشغول بحوائجه والا فما ليس للتجارة يدخل فيه مالايحتاج اليه كما أفاده بما بعده ،قوله : (وأملاك) من عطف العام على الخاص لأنه جمع ملك بكسر الميم بمعنى المملوك ، هذا بالنظر الى اللغة، أما في العرف فخاصة بالعقار. (درمختار ورد المحتار باب زكاة المال ۲۳۷/۳) اس زمین کے ثمن کی زکاۃ کا حکم کل ثمن پر

ہوگا جو مثلاً چار لاکھ ہے، نہ کہ محض نفع پر۔
رہا یہ کہ بروکر پر اس زمین کی زکاۃ ہوگی یا نہیں؟
اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے مالک زمین سے یہ زمین بیچنے کے لیے چار لاکھ میں لی، تو یہ زمین اس کے لیے مال تجارت ہے، بائع سے جو چار لاکھ اس کا ثمن طے ہوا وہ ابھی اس پر دین ہے، اب اس کے پاس پہلے سے مال تجارت یا نقود و زیورات بقدرِ نصاب ہوں تو سب کے ساتھ ملا کر اس زمین کی موجودہ قیمت کی بھی زکاۃ دینی ہوگی۔ اور اگر اس کے سوا کچھ مال قدرِ نصاب نہیں تو اب دیکھیں گے کہ چار لاکھ جو ثمن طے ہوا اس زمین کی موجودہ قیمت بھی اسی قدر ہے تو جو ثمن اس کے ذمہ دین ہے اس سے اس کی موجودہ قیمت منہا کریں قدرِ نصاب نہ بچے تو اس صورت میں اس پر اس زمین کی کچھ زکاۃ نہ آئے گی، کیوں کہ یہ مالِ تجارت دین سے فارغ نہیں۔ اور اگر موجودہ قیمت طے شدہ ثمن چار لاکھ سے بقدرِ نصاب زائد ہو تو بروکر اب مالک نصاب ہوا اور اب سے سال تمام پر اس کے ذمہ اس زمین کی زکاۃ آئے گی۔ جس صورت میں بھی زکاۃ آئے گی زمین کے طے شدہ ثمن پر نہیں، بلکہ اس وقت اس کی موجودہ قیمت پر زکاۃ دینی ہوگی۔ اور اس زمین کو فروخت کر دیا تو چار لاکھ دینے کے بعد جس قدر نفع باقی رہا اس پر حسب تفصیل بالا زکاۃ کا حکم ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: **فیضان المصطفیٰ قادری غفر لہ**

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

کرونا سے مرنے والوں کی تجہیز وتکفین وتدفین کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ آج کل ''کرونا'' وائرس وبائی صورت اختیار کر گیا ہے جس کے سبب موتیں ہو رہی ہیں۔ اس وائرس کے متعلق طرح طرح کی خبریں اور افواہیں گشت کر رہی ہیں، گورنمنٹ نے اس سے حفاظت کے لیے پورے ملک میں سخت اقدامات کیے ہیں، اب حال یہ ہے کہ اس وبا سے مرنے والوں کی تجہیز وتکفین وتدفین کو بھی مسئلہ بنایا جا رہا ہے، ایک محکمے کی طرف سے اعلان ہوا کہ اس وبا سے جس کی بھی موت ہوگی، خواہ کسی مذہب کا پیروکار ہو اسے جلا دیا جائے گا، اس پر اعتراض کے نتیجے میں اسے واپس تو لے لیا گیا لیکن غسل وکفن کے تعلق سے خدشات کی گرم بازاری ہے، میت کو ہاتھ لگانے یا قریب جانے سے وائرس سے متاثر ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا جا رہا ہے، لہٰذا لوگوں میں اس معاملے میں خوف کا ماحول ہے۔ بعض علماء سے اس سلسلے میں رابطہ کیا گیا کہ ان حالات میں غسل وکفن کے متعلق کیا کیا جائے؟ جواب یہ آیا کہ اس وبا میں مرنے والے شہید ہوں گے اور شہید کو غسل وکفن دینے کی ضرورت نہیں، لہٰذا انھیں اسی حالت میں دفن کر دیا جائے۔ بعض قبرستان والے تو اپنے قبرستان میں دفن کرنے سے بھی منع کرنے لگے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) کیا کرونا وبا سے مرنے والا مسلمان ایسا شہید ہے کہ اس کو غسل وکفن دینے کی حاجت نہیں؟ یا اسے غسل وکفن دینا ضروری ہے؟

(۲) اس وقت پوری دنیا اس وبا کی لپیٹ میں ہے جس سے بچنے کے لیے طرح طرح کی حفاظتی تدابیر اختیار کی جا رہی ہے، کیا اس وبا سے مرنے والے مسلمان کے غسل وکفن کو اس وائرس کے اندیشے سے ترک کیا جا سکتا ہے؟

(۳) کیا ان حالات میں اس وبا سے مرنے والے کو دفن کرنے کی بجائے جلانے کی اجازت ہو سکتی ہے؟ بینوا وتوجروا

المستفتی: قمر غنی عثمانی

صدر تحریک فروغ اسلام دہلی، ۳۱ مارچ ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب۔

﴿۱﴾ ''کرونا'' وائرس سے مرنے والے مسلمان کو رحمت الٰہی سے امید ہے کہ آخرت میں شہادت کا درجہ حاصل ہو جسے شہید حکمی کہتے ہیں، اور شہید حکمی کو بلا شبہ غسل وکفن دیا جائے گا، کہ غسل سے استثنا شہید فقہی کا ہے، وبا سے مرنے والا شہید فقہی نہیں۔ شہید فقہی وہ مکلّف مسلمان ہے جو ظلماً آلۂ جارحہ سے قتل کیا جائے یا معرکے میں مقتول پایا جائے، اور اس کے قتل سے کوئی مال واجب نہ ہو۔ شہید فقہی کو غسل دیے بغیر اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اسی کپڑے اور خون میں دفن کر دیا جائے گا۔ درمختار میں ہے: **ھو کل مکلف مسلم**

طاھر قتل ظلماً بجارحة ولم یجب بنفس القتل مال. (درمختار ۱۵۸/۳)

کنز الدقائق میں ہے:ھو من قتله أهل الحرب والبغي أو قطاع الطريق أو وجد في معركة وبه أثر أو قتله مسلم ظلماً ولم تجب به دية فيكفن ويصلى عليه بلاغسل ويدفن بدمه وثيابه. (البحر الرائق ۳۴۳/۲)

لہٰذا ''کرونا'' وبا سے مرنے والے کے متعلق یہ کہنا کہ ''اس کے لیے غسل وکفن نہیں'' بے بنیاد اور غلط ہے، جس کا کتب حنفیہ میں کہیں نشان نہیں۔ اسے غسل وکفن دینا ایسے ہی ضروری ہے جیسے اور مسلمانوں کو دینا۔اس میں کسی قسم کی کوتاہی کرنا جائز نہیں۔

﴿۲﴾اس وبا سے مرنے والے مسلمان کے غسل وکفن کو وبا اور جراثیم کے اندیشے سے ترک کردینا ناجائز وحرام ہے، کہ یہ ایک حق العبد اور فرض کا ترک ہوگا،اس وبائی موت نے تو میت کو مزید لائق رحم ومروت بنادیا، نہ کہ مطرود ومحروم۔حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ ایک بے نمازی کے غسل وکفن اور نمازِ جنازہ کے متعلق فرماتے ہیں:

بعد موت ہر سنی صحیح العقیدہ کو غسل وکفن دینا،اس کے جنازے کی نماز پڑھنا(الا ما استثنی وھذا لیس منھم) فرض قطعی علی الکفایہ ہے۔ اگر سب چھوڑ دیں جن جن کو اطلاع تھی سب گنہگار وتارک فرض ومستحق عذاب ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الصلوٰۃ واجبة علیکم علی کل مسلم یموت براً کان اوفاجراً وان ھوعمل الکبائر. (ملتقطاً فتاویٰ رضویہ مترجم ۱۵۹/۹)

حدیث شریف میں ہے:

حق المسلم علی المسلم خمس رد السلام وعیادة المریض واتباع الجنائز واجابة الدعوة وتشمیت العاطس. اخرجه البخاری.

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں:اس کے سلام کا جواب دے، بیمار ہوتو اس کی عیادت کرے،اس کے جنازے میں جائے،اس کی دعوت قبول کرے،اس کی چھینک کا جواب دے۔

درمختار میں ہے:والصلاة علیه فرض کفایة کدفنه وغسله وتجهیزه فانها فرض کفایة . (ملتقطاً درمختار جلد اول صفحہ ۱۰۲ باب صلاۃ الجنازۃ)

میت کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جیسے اسے دفن کرنا غسل دینا کفن دینا فرض کفایہ ہے۔

لہٰذا ''کرونا'' وبا سے مرنے والے مسلمانوں کا غسل وکفن ونمازِ جنازہ یقیناً حتماً مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ان میں سے کچھ بھی ترک کرنا میت پر ظلم، اور حق اللہ وحق العباد میں گرفتار ہونا ہے۔خصوصاً اس گندے خیال سے تجہیز وتکفین ترک کردینا کہ قریب جانے سے کہیں وہ مرض خود کو نہ لگ جائے اور برا ہے، کہ یہ اعتقاد بجائے خود مردود ومطرود ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''لاعدویٰ'' فرماکر اس کا رد وابطال فرمایا۔

آخر ''کرونا'' اور دیگر وبائی مریضوں کا علاج معالجہ ہوتا ہی ہے، نرس ،ڈاکٹر خاص قسم کے لباس پہن کر ، ہاتھوں میں دستانے اور منھ پر ماسک لگا کر ان کا علاج معالجہ کررہے ہوتے ہیں،ضعیف الاعتقاد قسم کے لوگ اسی طرح کی ترکیبیں اختیار کرکے میت کو غسل وکفن دیں تو کچھ مشکل نہیں۔مگر بالکلیہ غسل وکفن ونماز جنازہ کا ترک کسی صورت جائز نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

﴿۳﴾کسی وبا یا کسی بلا سے مرنے والے مسلمان کی نعش کو جلانا حرام ہے، کہ یہ تعذیب بالنار اور میت کو بلاوجہ اذیت دینا ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے:انه لاینبغي أن یعذب بالنار الا رب النار، أخرجه ابوداؤد. آگ کی سزا نہیں دے سکتا مگر صرف آگ کا رب۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو میت کے کنگھی کرنے سے منع فرمایا کہ اسے تکلیف ہوگی، رواہ الامام محمد فی کتاب الآثار۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کسر عظم المیت ککسرہ حیا، أخرجه أبو داود وابن ماجة. مردے کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے اس کی زندگی میں اس کی ہڈی توڑنا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں:

''عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا،فرمایا:لاتوذ صاحب

ھذا القبر رواہ الامام احمد۔ مردے کو ایذا نہ دے۔ سبحان اللہ! جب قبر پر تکیہ لگانے سے مردے کو ایذا ہوتی ہے تو ایسے ظلم شدید سے کس قدر ایذائے عظیم ہوگی، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم. واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم ۹/۱۶۶)

جب مرنے والے کے بال کھینچنا، اس کی ہڈی توڑنا بلکہ اس کی قبر پر ٹیک لگانا اسے اذیت پہنچانا ہے تو اسے جلا دینا تو ظلم و بربریت کی انتہا ہے۔ بالفرض مردے کی نعش میں وبائی جراثیم موجود ہوں تو ان کا بہترین علاج اس مردے کو زمین میں دفن کر دینا ہے، جس میں اس کی تکریم بھی ہے، اور جلانا مردے کی شدید توہین وتحقیر اور بدترین اذیت رسانی اور تعذیب ہے، محض وبائی موت کے سبب اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: **فیضان المصطفیٰ قادری غفر لہ**

۶ رشعبان المعظم ۱۴۴۱ھ

بلا غسل میت نماز جنازہ کب پڑھی جائے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

دور حاضر میں کرونا وائرس (COVID-19) وبائی صورت اختیار کر چکا ہے جس کے سبب سے پوری دنیا کے حکمرانوں نے اس وبا کو ختم کرنے کی امید میں بہت سی ایسی بھی احتیاطی تدابیر اختیار کی ہیں، جن کے سبب اس وبا سے مرنے والے مسلمانوں کی تجہیز، تکفین، تدفین اور نماز جنازہ کے حوالے سے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے- برائے کرم مندرجہ ذیل سوالات کا شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیے-

﴿۱﴾ کرونا وائرس سے کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے اور حکومت میت کو انتقال کے بعد سیل (seal) کر دے اور کسی بھی صورت میں اس سیل کو کھولنے کی اجازت نہ دے حتی کہ میت کو غسل دینے کی بھی اجازت نہ دے، تو ایسی صورت میں میت کے غسل ونماز جنازہ کا کیا حکم ہوگا؟

﴿۲﴾ اور اس فرضِ کفایہ کے ترک ہونے پر کیا اس علاقے کے مسلمان گنہگار ہونگے؟

﴿۳﴾ بہت سے علاقوں میں یہ قانون بھی نافذ ہو چکا ہے کہ ہر فرد کو ہر حالت میں دوسروں سے کم از کم 6 foot کا فاصلہ لازمی رکھنا ہے- کیونکہ حکومتوں نے اس قانون کا اطلاق نماز جنازہ کی جماعتوں پر بھی کیا ہے، تو اس حالت میں کہ ہر مقتدی دوسرے سے 6 foot کا فاصلہ رکھتا ہو، نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہوگا؟ **بینوا تؤجروا**

المستفتی: فقیر خاندانِ صدر الشریعہ، فقیر سید عبد الصمد القادری عفی عنہ (میری لینڈ، امریکہ)

الجواب بعون الملک الوھاب:

﴿۱﴾ اسپتال کا عملہ یا علاقائی انتظامیہ کسی وجہ سے میت کو متعلقین کے سپرد نہ کرے یوں مسلمان میت کو غسل نہ دے سکیں تو معذور ہیں، کہ ہر حکم بشرط استطاعت ہے۔ لیکن اس مجبوری کے سبب غسل میت کا حکم ساقط نہ ہوگا جب تک کہ میت کو مکمل طور پر دفن نہ کر دیا جائے، لہٰذا بلا غسلِ میت نمازِ جنازہ پڑھ لی گئی تو نہ ہوئی، کہ میت کی طہارت شرطِ صحت نمازِ جنازہ ہے۔ نہر الفائق میں ہے: فلا تصح علی من لم یغسل۔ (۳۹۳/۱) ہاں اگر مسلمان غسل نہ دے سکیں لیکن ہسپتال کا غیر مسلم عملہ یا انتظامیہ کے غیر مسلم کارکنان ہی میت کے پورے جسم پر پاک پانی بہادیں تو جسد میت پاک ہو جائے گا، اسی قدر شرطِ صحت ہے، لہٰذا اس صورت حال میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ میت کو سیل کرنے سے پہلے کم از کم ایک بار پورے بدن پر پاک پانی بہانے کی گزارش کریں، یوں غسل ہو جائے تو اس کے بعد پڑھی گئی نمازِ جنازہ درست ہوگی۔ ورنہ تدفین کے بعد نمازِ جنازہ ادا کی جائے۔

درمختار میں ہے: **وشرطھا ستۃ اسلام المیت وطھارتہ مالم یھل علیہ التراب فیصلی علی قبرہ بلاغسل وان صلي علیہ أولا استحساناً.**

شامی میں ہے: **قولہ: استحساناً لأن تلک الصلاۃ لم یعتد بھا لترک الطھارۃ مع الامکان والآن زال الامکان وسقطت فریضۃ الغسل. (رد المحتار ۳/۱۰۳)**

درمختار میں ہے: **وان دفن وأھیل علیہ التراب بغیر صلاۃ أو بھا بلاغسل او ممن لاولایۃ لہ صلي علی قبرہ استحساناً مالم یغلب علی الظن تفسخہ . (ردالمحتار ۳/۱۲۵)**

البحرالرائق میں ہے: ولاتصح علی من لم یغسل لأنه له حکم الامام من وجه لا من کل وجه، وهذا الشرط عند الامکان فلو دفن بلاغسل ولم یمکن اخراجه الابالنبش صلی علی قبره بلاغسل للضرورة بخلاف ما اذا لم یهل علیه التراب بعد فانه یخرج ویغسل، ولو صلي علیه بلاغسل جهلاً مثلاً ولایخرج الا بالنبش تعاد لفساد الاولیٰ. (البحرالرائق ۲/۳۱۴)

النہرالفائق میں ہے: لکن في السراج وغیره : لو دفن بعد الصلاة قبل الغسل قیل لایصلی علی قبره وقال الکرخي یصلی وهو الاستحسان لأن الاولی لم یعتد بها لترک الشرط مع الامکان والآن زال الامکان فسقطت فریضة الغسل وهذا یقتضي ترجیح الاطلاق وهو الاولیٰ. (النهر الفائق ۱/۳۹۳)

اسی میں ہے:فان لم یمکن بان دُفن بلاغسل ولایمکن اخراجه الا بالنبش سقط وصلي علی قبره بلا غسل ضرورة، فان لم یهل علیه التراب بعد أخرج وغسل ولو صلي علیه بلاغسل ودُفن أعیدت علی القبر. (النهرالفائق ۱/۳۹۰)

غسل میت کی دوجہتیں ہیں طہارت میت اور تطہیرمیت بالمسلمین،صحت صلاۃ کے لیے اول کافی ہے،چنانچہ جدالممتار میں حضوراعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وغسل المیت له وجهان وجه الی الشرطیة وهو عدم صحة الصلاة علیه بدون الطهارة، هذا ما یکفي فیه وجوده بلا ایجاده کطهارة الحي، ووجه الی الفرضیة علینا، ولایتأتی الا بفعل توقعه قصداً ولولم تقصد العبادة المامور بها. (جد الممتار ۳/ ۳۸۹ باب صلاة الجنازة)

مذکورہ جزئیات سے واضح ہوا کہ بلاغسل میت نمازِ جنازہ پڑھ لی گئی یا بالکل نہ پڑھی گئی دونوں صورتوں میں تدفین مکمل ہونے کے بعد قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی، پہلی صورت میں یہ تکرار نہیں، کہ پہلی نماز ہوئی ہی نہ تھی۔ یوں قبر پرنماز جنازہ پڑھنے کا حکم اس وقت تک رہے گا جب تک کہ جسد میت کے خراب ہوجانے کا ظن نہ ہوجائے،اورایک باردرست طور پرنماز جنازہ ہوگئی تو پھراعادہ نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

﴿۲﴾ رہا مسلمانوں کا میت کوغسل نہ دینا،اگران کے لیے میت کو غسل دینے کی گنجائش تھی مگرکسی ایک نے بھی غسل نہ دیا تو علاقے کے سارے مسلمان گنہگار ہوئے، کہ میت کوغسل دینا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے،انھیں توبہ واستغفار کرنی ہوگی۔اوراگرمسلمانوں نے پوری کوشش کی کہ انھیں غسل میت پرقدرت حاصل ہوجائے پھربھی کچھ نہ بن پڑا تو معذور ہیں، کیوں کہ ہرفرض بقدرِقدرت ہےاور ہر حکم حسبِ استطاعت۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: لایکلّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا. واللہ تعالیٰ اعلم

﴿۳﴾نماز جنازہ توادا ہوجائے گی،امام اورصف اول میں اس کے عین عقب میں کھڑے ہونے والے کی بلاکراہت، باقی اس قدر فاصلہ کرکے کھڑے ہونے والوں کی مع الکراہۃ۔اس لیے کہ نماز جنازہ صرف ایک بالغ مسلمان ادا کرلے تو بھی فرض ادا ہوجاتا ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: فلو أمّ بلاطهارة والقوم بها أعیدت وبعکسه لاکما لو أمَّتْ امرأة ولو أمة لسقوط فرضها بواحد، ردالمحتار میں ہے: وبعکسه لا: أي لاتعاد لصحة صلاة الامام وان لم تصح صلاة من خلفه. (ردالمحتار ۳/۱۰۴)۔ اورجولوگ ایک ہی صف میں ایک دوسرے سے چھ فٹ کی دوری پرکھڑے ہوئے ان کی نماز تو ہوجائے گی، مگرغیر مشروع صف بندی کی کراہت لازم آئے گی،ہاں اس کراہت کے سبب ایسےلوگوں پرنماز جنازہ کےاعادے کاحکم نہیں، کہ نمازِ جنازہ کی ایسی تکرار مشروع نہیں۔اورحکومتی ہدایات سخت ہوں تو عمداً غیرشرعی صف بندی کا گناہ بھی نہ ہوگا۔رہا دوصفوں کے مابین چھ فٹ کا فاصلہ،تواس میں کوئی کراہت بھی نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: **فیضان المصطفیٰ قادری غُفر له**

۲۵رشعبان المعظم ۱۴۴۱ھ

پرنٹنگ پریس پر
صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمات ﴿سرسری جائزہ﴾

از: مولانا نوید اختر قادری ﴿سری لنکا﴾

اہل عقل وخرد نے ہر دور میں پرنٹنگ پریس کی اہمیت کو محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ماننے والوں کے روبرو اس کی ضرورت کو اپنے انداز میں بیان بھی کیا ہے۔ نا صرف یہ کہ بیان کیا، بلکہ اپنے قیمتی اوقات کا ایک بڑا حصہ پرنٹنگ پریس پر قربان کیا، اور علما کے سینہ میں محفوظ علم کو الفاظ کے خوبصورت جامہ میں نظم کر کے صدیوں کو مستفیض ہونے کا سنہری موقعہ عنایت فرمادیا۔ جس قوم کے مذہبی صحیفے کی ابتداء ''اقراء'' سے ہو، اور اس کا تعارف لفظ ''کتاب'' سے کیا جائے، اس کتاب میں ''قلم'' کی قسم یاد کی جائے، تو ظاہر سی بات ہے کہ اس قوم کے نزدیک پریس کی اہمیت غیر معمولی ہی ہونی چاہیے۔ کیونکہ پڑھنا، لکھنا، اور قلم، اجزائے پریس کی جان ہیں۔

اسلام کی آمد سے قبل ہی روئے زمین پر کتابوں کے ذخیرہ کا ذہن بن چکا تھا، مدینہ پاک اور خیبر میں کئی کتب خانوں کے ساتھ کتابت کا انتظام بھی تھا، آفتاب رسالت کی جلوہ گری کیا ہوئی، گویا کتابت، صحافت، اور لکھنے پڑھنے کو نئی بہاروں سے آشنا کرادیا گیا، عرب کی بے مثال ذہانت کے باوجود ماہتاب نبوت نے کتابت قرآن کا مزاج عطا کر کے لوگوں کو علمی کہکشاں کے ذریعہ صدیاں روشن کرنے کا طریقہ عطا کر دیا، علم سینہ سے نکل صفحات کی زینت بننے لگے، اور آنے والوں نے ان کتابوں کے ذریعہ دوبارہ اسے سینوں میں بسانے کا ماحول پیدا کر دیا، اس پاکیزہ ماحول سے لے کر آج تک یہی حال چلا آرہا ہے، لوگ استاذ کے روبرو زانوئے ادب تہہ کرتے ہیں اور کتابوں سے حاصل شدہ علم سے سینے کو روشن کر لیتے ہیں۔ یہ سب پریس کی ضرورت کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں، مگر جب تک اپنی بات کی تائید میں اکابرین کی عبارت نا پیش کر دی جائے بات روحانی فیض سے خالی ہوا کرتی ہے، امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا (۱۲۷۲ھ......۱۳۴۰ھ) کے مشہور دس نکاتی منصوبوں میں آخری کے پانچ منصوبے اشاعتی خدمات سے ہی متعلق ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

''سادساً حمایت مذہب ورد بدمذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔ سابعاً تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت شائع کیے جائیں، ثامناً شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعدا کے لیے اپنی فوجیں میگزین رسالے بھیجتے رہیں۔ تاسعاً جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انھیں مہارت ہو لگائے جائیں۔ عاشراً آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت وبلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں''۔ (ملتقطاً فتاویٰ رضویہ قدیم جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۳، ۱۳۴)

ان پانچ نکات کے بعد پریس کی اہمیت وافادیت کے بیان میں کچھ بھی کہنے کو باقی نہیں بچتا، امام اہل سنت کے سابقہ الفاظ یہ بھی اشارہ کر رہے ہیں کہ اس کام میں محنت کا تقاضہ آبلہ پائی کی حد تک کا ہے۔

زیر نظر عنوان کو اگر کما حقہ مرتب کیا جائے تو یقیناً اس کی شیرازہ بندی کو کئی سو صفحات کا وسیع میدان درکار ہے، یہاں شیرازہ بندی کا لفظ انجانے میں کی ہوئی کوئی غلطی نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہی ہے کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ حکیم ابو العلاء علامہ محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ (۱۲۹۶ھ......۱۳۶۷ھ) کی پریس پر خدمات اس قدر پھیلی ہوئی ہیں کہ اگر ان تمام خدمات کا بکھرا ہوا شیرازہ باندھا جائے تو ایک جہان آباد

ہو جاے۔ مگر اس ضروری کام میں جہاں علمی فیضان ضروری ہے وہیں کہنہ مشق قلم کاری کے جوہرات سے آراستہ مکمل شخصیت درکار ہے۔

حضور صدر الشریعہ کی پریس پر خدمات کا آغاز: ۱۳۲۹ھ کا زمانہ ہے جب حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کا خط لے کر بریلی شریف پہنچے، امام اہل سنت کا حکم تھا کہ "یہیں رہیے اور جب تک میں نا کہوں واپس نا جائیے" ابتداءً کچھ تراجم کا کام آپ کے سپرد کر دیا گیا، امام اہل سنت کے بارگاہ میں دو ماہ رہے، اور اس شرط پر واپسی کی اجازت ملی کہ "جب بھی میں بلاؤں تو فوراً چلے آئیے گا" پانچ چھ ماہ کے بعد امام اہل سنت کی جانب سے حکم ہوا تو بریلی شریف پہنچے، اس مرتبہ تدریس کا کام سونپا گیا اور کچھ دن بعد مطبع اہل سنت بریلی شریف کا کام سونپ دیا گیا، جب تک آپ کا قیام بریلی شریف میں رہا مطبع اہل سنت بریلی شریف کا کام جاری رہا، اور اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کی تصانیف اور وقتی اشتہارات وغیرہ اسی پریس سے شائع ہوتے رہے۔ پریس کی اہمیت آپ کے روبرو تھی ساتھ ہی مطبع اہل سنت بریلی شریف کے قیام کا مقصد بھی پیش نظر تھا، لہذا اپنی تنخواہ کا ایک جزء مطبع اہل سنت بریلی شریف کے نذر کر دیا کرتے، کیوں کہ جس زمانہ میں آپ نے مطبع کی ذمہ داری سنبھالی اس وقت مطبع اہل سنت کی آمدنی بہت قلیل تھی، اور اخراجات آمدنی کے لحاظ سے بہت زائد، مگر دھیرے دھیرے مطبع کے حالات میں سدھار آیا اور ایسا کہ اجمیر شریف جاتے وقت (امام اہل سنت کے وصال کے بعد ۱۳۴۳ھ میں) کتابوں کا سرمایہ دس ہزار سے زائد تھا، اس ترقی کی خاص وجہ یہی نظر آتی ہے کہ امام اہل سنت کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو تراش کر ایک انمول ہیرا بنا دیا تھا۔ آپ نے ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۳ھ تک مسلسل چودہ سال مطبع اہل سنت بریلی شریف کی ذمہ داری سنبھالی۔ (ملخصاً ص ۳۰ و ۳۱/ از "حیات صدر الشریعہ" از بحر العلوم مفتی عبد المنان علیہ الرحمہ مطبع رضا اکیڈمی لاہور پاکستان)

فتاوی رضویہ جلد اول و دوم کی اشاعت: آپ کے زیر اہتمام چھپنے والی کتب کی یہ خاص بات ہوا کرتی تھی کہ، اس میں کتابت اور پروف ریڈنگ کی غلطیاں تقریبا نا کے برابر رہتی تھیں، کیونکہ آپ خود ہی بڑی مہارت اور باریک بینی کے ساتھ اس کی پروف ریڈنگ کیا کرتے تھے۔ (تحقیق و تفہیم از: مرحوم مولانا اسید الحق بدایونی ص ۲۷)

آپ کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتب کی فہرست بہت طویل ہے، اور اس کے باقاعدہ جمع کرنے کو اچھا خاصہ وقت درکار ہے، ان تمام خدمات میں فتاوی رضویہ شریف کی پہلی جلد کی اشاعت سرفہرست ہے۔ آپ محسوس کر سکتے ہیں کہ امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے اتنی اہم خدمت حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے سپرد کی، یہ امر اس جانب اشارہ ہے کہ آپ اس کام میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور جس پر امام اہل سنت کو بھروسہ ہو، اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا پانا انتہائی مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رضا اکیڈمی ممبئی اور پاکستان کے کتب خانوں نے فتاوی رضویہ شریف کی اشاعت کا جب بیڑا اٹھایا تو ابتدا حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی شائع کردہ فتاوی رضویہ سے ہی کی۔

فتاوی رضویہ شریف کی پہلی جلد امام اہل سنت کی حیات ہی میں ۱۳۳۵ھ میں، اور جلد ثانی امام اہل سنت کے وصال کے بعد ۱۳۴۴ھ میں مطبع اہل سنت بریلی شریف سے باہتمام حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ شائع ہوئیں۔ اس کے علاوہ امام اہل سنت کے تقریبا (بقول مفتی آل مصطفیٰ مصباحی قبلہ جامعہ امجدیہ رضویہ) ۳۲ رسائل بھی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی زیر نگرانی شائع ہوئے۔ (ماہنامہ پیغام شریعت کا خصوصی نمبر "مصنف اعظم نمبر" ص ۸۹۲)

مطبع اہل سنت میں آپ کے زیر اہتمام شائع ہونے والی پہلی کتاب: "كفل الفقيه الفاهم في احكام قرطاس الدراهم" امام اہل سنت کا یہ رسالہ آپ کی ایک کرامت ہے، یہ رسالہ مکہ المکرمہ کے بڑے بڑے علما کے سوالوں کے جواب میں عرب کی سرزمین پر عربی زبان میں لکھا گیا تھا، اور ہندوستان میں اس کا اردو ترجمہ خود امام اہل سنت نے فرمایا، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی نگرانی میں چھپنے والا یہ پہلا رسالہ ہے ساتھ ہی آپ نے اس کا ترجمہ بھی شائع کیا، اور بحر العلوم مفتی عبد المنان علیہ الرحمہ کی ترتیب دی ہوئی حیات صدر الشریعہ میں یہ بھی ہے کہ اس رسالہ (کفل الفقیہ) کے ساتھ ایک رسالہ اور

(شائع ہوا) تھا، جس میں مولوی عبدالحی لکھنوی کے شبہات کا جواب اور عبارتوں کا رد بلیغ بھی کیا گیا تھا۔ (حیات صدر الشریعہ از: مفتی عبدالمنان علیہ الرحمہ ص ۳۴)

اقول: اس سلسلہ میں کوئی سراغ نامل سکا کہ وہ کفل الفقیہ الفاہم کے ساتھ شائع ہونے والا رسالہ کون سا تھا، یہ کام اکابرین کے حوالہ، البتہ حضور صدر الشریعہ علیہ کا یہ فرمانا کہ ''جس میں مولوی عبدالحی لکھنوی کے شبہات کا جواب اور عبارتوں کا رد بلیغ بھی کیا گیا تھا'' کچھ اشارے دیتا ہے کہ وہ رسالہ کون سا ہوسکتا ہے، امام اہل سنت نے مولوی عبدالحی لکھنوی کے متعدد شبہات اور اعتراضات کا مختلف رسائل میں جواب اور رد فرمایا ہے جیسے ''سرور العید السعید فی حل الدعا بعد صلاۃ العید'' اس کے علاوہ ''کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم'' (ملقب بلقب تاریخی: الذیل المنوط لرسالۃ النوط) میں بھی امام اہل سنت نے مولوی عبد الحی لکھنوی کے اعتراضات کا جواب دیا ہے اور شبہات کا ازالہ فرمایا ہے۔ موخر الذکر رسالہ اور کفل الفقیہ الفاہم عنوان اور مضمون کے اعتبار سے تقریبا ایک ہی ہے، اس لیے بہت ممکن ہے کہ وہ رسالہ جس کے متعلق فرمایا کہ ''اس رسالہ (کفل الفقیہ) کے ساتھ ایک رسالہ اور (شائع ہوا) تھا'' وہ یہی کاسر الواہم ہو۔ (نوید اختر ۱۲)

ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری:

۱۳۳۱ھ میں امام اہل سنت نے یہ رسالہ کانپور کی مسجد کے منہدم کرنے کے بارے مولوی عبدالباری کے ایک فیصلہ کے رد میں لکھا تھا، امام کے اس رسالہ کو بھی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنے زیر سرپرستی میں شائع کیا۔

قامع الواھیات من جامع الجزئیات:

یہ رسالہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا عربی میں تحریر کیا ہوا ہے، مذکورہ رسالہ کے مضمون کا تعلق بھی کانپور کی اسی مسجد سے ہے، مولوی عبد الباری لکھنوی نے مسجد کے انہدام کے جواز پر فقہ کے جزئیات پیش کر کے حکومت کے کام کو آسان کیا تو دوسری جانب امت مسلمہ کو حکومت کی بغاوت سے باز رکھنے کی کوشش کی اور یہ بہت بڑا جرم تھا، جہاں امام اہل سنت نے ابانۃ الباری میں (مولوی) عبدالباری کی خبر لی تو وہیں امام کے پروردہ حضور صدر الشریعہ علیہ لرحمہ نے بھی اپنی علمی جولانیت کا مظاہرہ فرمایا۔ مذکورہ رسالہ ''قامع الواھیات من جامع الجزئیات'' بھی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام ''ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری'' کے ساتھ ہی ۱۳۳۱ھ میں مطبع اہل سنت بریلی شریف سے شائع ہوا

مقام حیرت: ایک طرف پرنٹنگ پریس کی ذمہ داریاں، پھر درس و تدریس کے فرائض انجام دینا امام اہل سنت کے فتاوی وغیرہ کی کاپی تیار کرنا اللہ جانے کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے کہاں سے وقت نکالا کرتے تھے کہ عربی زبان میں اتنا جامع رسالہ قامع الواہیات تو لکھا ہی اس کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں فتاوی اور دیگر نجانے کتنے کام کرتے تھے۔

الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ:

علم غیب مصطفی ﷺ پر امام اہل سنت کی لا جواب کتاب، جس کی شہرت پوری دنیا میں ہے، اس پر امام اہل سنت کے حواشی بھی ہیں، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی زبانی اس کی اشاعت کی کہانی سنیں:

''الدولۃ المکیۃ بڑی ضخیم کتاب ہے، اور اس پر اعلی حضرت کے حواشی قدیمہ وجدیدہ بھی ہیں، ان حواشی کی وجہ سے اس ضخامت بہت زیادہ ہوگئی، اس کو چھپوانا شروع کیا تھا، چند اوراق اصل کتاب کے چھپے اس کے بعد جو حواشی کا سلسلہ شروع ہوا تو غالبا دوسو آٹھ صفحے تک چھپے، اور بعض وجوہ سے اعلی حضرت کے زمانہ ہی میں اس کی طبع کا سلسلہ منقطع ہو گیا'' (حیات صدر الشریعہ از: مفتی عبد المنان علیہ الرحمہ ص ۳۴)

اطائب الصیب علی ارض الطیب (۱۳۱۹ھ):

یہ رسالہ امام اہل سنت اور مولانا طیب عرب صاحب کے مابین عربی زبان میں خط و کتابت (مراسلت) کا مجموعہ ہے، یہ عربی رسالہ اور اس کا ترجمہ بھی حضور صدر رالشریعہ علیہ الرحمہ کی زیر نگرانی طباعت کی منزلوں سے گذر کر کتب خانوں کی زینت بنا، حضور صدر رالشریعہ کے زیر اہتمام اس رسالہ کے سرورق کا عکس ڈاکٹر غلام جابر شمس کی تالیف کردہ کتاب ''کلیات مکاتیب رضا'' جلد دوم کے صفحہ نمبر ۳۵۵ پر شائع کیا گیا ہے، جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ

کے مولف ومترجم حضرت علامہ حافظ وقاری سید محمد عبدالکریم قادری مجیدی علیہ الرحمہ ہیں۔ (فہرست رسائل فتاوی رضویہ از مولانا ندیم احمد ندیم قادری ص۸۴، مطبع والضحیٰ پبلی کیشنز لاہور پاکستان)

ذیل المدعا لاحسن الوعاء: رئیس المتکلمین علامہ نقی علی خان علیہ الرحمہ الرضوان کا رسالہ بنام ''احسن الوعا لآداب الدعا'' کی شرح ہے جو امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے فرمائی اور اس کا نام رکھا ''ذیل المدعا لاحسن الوعاء'' یہ رسالہ بھی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر نگرانی مطبع اہل سنت بریلی شریف سے شائع ہوا، پھر اسی رسالہ کو ''فضائل دعا'' نام سے رضا اکیڈمی ممبئی اور سنی باب الاشاعت کراچی وغیرہ نے بھی شائع کیا۔ (حوالہ سابق ص۸۲)

نوٹ: الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور یوپی میں ہر سال یوم مفتی اعظم کے موقعہ پر جماعت سابعہ کی جانب سے ایک کتاب منظر عام پر آتی ہے، مفتی فیضان المصطفیٰ قادری دامت برکاتہم العالیہ چیف ایڈیٹر ماہنامہ پیغام شریعت دہلی نے بھی اپنے طالب علمی کے زمانہ میں اس رسالہ کو شائع کیا، اور اپنے جد کریم حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے لائق وفائق سبط نبیل ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ رسالہ فضائل دعا پر ہے، گویا حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے فضائل دعا کو شائع کر کے امام اہل سنت سے دعا لی، اور مفتی فیضان المصطفیٰ قادری قبلہ نے ''فضائل دعا'' کو شائع کر کے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے دعا لے کر فیضان امام اہل سنت کے بہتے ہوئے دریا میں غوطہ زن ہو گئے (نوید اختر ۱۲)

فتاوی الامام الغزی: یہ صاحب تنویر الابصار حضرت علامہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم الغزی تمرتاشی (۹۳۹ھ تا ۱۰۰۴ھ) کے فتاوی کا مجموعہ ہے، حضرت علامہ تمرتاشی، صاحب بحر الرائق حضرت علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ کے شاگرد خاص ہیں، اور حضرت علامہ تمرتاشی علیہ الرحمہ نے تنویر الابصار کے علاوہ ''معین المفتی علی جواب المستفتی''، ''مسعف الحکام علی الاحکام'' بھی تحریر فرمائی ہیں، اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک مایہ ناز کتابوں کے مصنف ہیں انہیں میں ''فتاوی امام غزی'' بھی ہے تقریبا ۱۵۰ صفحات پر مشتمل اس رسالہ کو ہندوستان میں سب سے پہلے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مطبع اہل سنت بریلی شریف سے ۱۳۳۲ھ میں اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔ اس وقت مطبع اہل سنت بریلی شریف کے نسخہ کا پہلا ورق ہمارے سامنے ہے، اور ورق کے پیشانی پر ''وھو احد المجددین للدین المتین فی الالف الثانی'' لکھا ہوا ہے، یعنی علامہ تمرتاشی ان مجددین میں سے ہیں جو ''الف ثانی'' یعنی دوسرے ہزاریہ میں پیدا ہوئے۔ امام اہل سنت نے بھی انہیں مجددین کے صف میں شامل فرمایا ہے۔ خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کا ایک مضمون جد الممتار علی رد المحتار کی پہلی جلد میں موجود ہے، آپ نے مذکورہ عبارت کو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی جانب منسوب فرمایا ہے۔

کنز الایمان کا مسودہ آپ کے ہاتھ کا :

پریس کے اجزا میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی کتاب کا مسودہ یا مبیضہ تیار کیا جائے، امام اہل سنت کے علمی خزانہ سے کنز الایمان جیسی نعمت امت کے حوالہ کرنے کا سہرا بھی آپ کے سر ہے، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اس عظیم خدمت کی کہانی خود آپ کی زبانی سننے سے قبل ذہن میں یہ تصور ضرور بٹھالیں کہ برسات کا موسم ہے، لالٹین کا زمانہ ہے، پتنگے اور کیڑے مکوڑوں کا ہجوم ہے اور ترجمہ کنز الایمان کا مسودہ تیار کیا جا رہا ہے، فرماتے ہیں:

''ایک طرف برسات کی گرمی، اور بالکل قریب لالٹین، اور ان پر کیڑوں اور پتنگوں کا ہجوم، کبھی ہاتھ پر، کبھی آستین کے اندر، کبھی پاجامے میں، بہت مرتبہ کاغذ اور قلم میں پتنگے اس طرح مجتمع ہو جاتے تھے کہ لکھنا بہت دشوار ہو جاتا تھا، پھر بھی کئی کئی گھنٹہ اسی حالت میں گذارنا پڑتا تھا اور بحمدہ تعالی اس کام کو انجام دیا جاتا'' (حوالہ سابق ص۴۳)

آج کے زمانہ میں لکھنے والوں کی کیفیات کیا ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، سکون کا ماحول ہو، کسی طرح کی کوئی فکر نا ہو، کمرے میں بالکل تنہا، کوئی ڈسٹرب نا کرے، ساتھ موسم کے اعتبار سے گرمی وٹھنڈی کا انتظام ہو تب جا کر کہیں کوئی کتاب معرض وجود میں آتی ہے، اور شاید ہی کوئی کتاب آج کے زمانہ میں لالٹین میں

پتنگوں کی صحبت میں لکھی گئی ہو۔

ماہ نامہ الرضا : آج اس بھری دنیا میں رسالوں کی کمی نہیں ہے، اور نا لکھنے والوں کی کمی ہے، رسالوں نے دین کے شجر کو ہرا بھرا رکھنے کا کام کیا، تو دوسری جانب کچھ رسالے ایسے بھی تھے جنہوں نے دین متین کی پھیلی ہوئی مضبوط جڑوں میں گرم پانی ڈالنے کا کام بھی کیا، انہی تخریب کاریوں کے سدباب کے لیے ماہنامہ الرضا کی بنیاد ڈالی گئی، علامہ ذوالفقار خان نعیمی کے الفاظ دیکھیں:

''محرم ۱۳۳۸ھ میں خانقاہ رضویہ سے امام اہل سنت کی سرپرستی میں ''ماہنامہ الرضا'' جاری ہوا، جس کے مدیر امام اہل سنت کے لائق فائق بھتیجے، استاذ زمن کے ہونہار صاحبزادے علامہ حسنین رضا خان علیہم الرحمہ (مقرر) ہوئے، مطبع اہل سنت بریلی شریف سے حضور صدر الشریعہ علامہ حکیم امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام ہر ماہ بلا تعیین تاریخ طبع ہو کر شائع ہوتا تھا ہیڈ کوارٹر محلّہ سوداگران بریلی شریف تھا''۔ (مرکز اہل سنت بریلی شریف کی صحافتی خدمات ص ۲/)

بہار شریعت: حضور صدر الشریعہ ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۳ھ تک بریلی شریف میں مقیم رہے، اور مطبع اہل سنت کی ذمہ داریاں سنبھالیں، اسی درمیان فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب ''بہار شریعت'' کا کام شروع ہوا، اور ساتھ طباعت بھی ہوتی گئی، بہار شریعت حصہ اول سے حصہ ہفتم تک کے تمام حصص مطبع اہل سنت بریلی شریف سے باہتمام حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ شائع ہوئے، بہار شریعت حصہ ہفتم کی پہلی اشاعت کے سرورق پر ۱۳۴۲ھ رقم ہے۔ (بحوالہ تحقیق و تفہیم از مرحوم شہید بغداد مولانا اسید الحق قادری بدایونی ص ۲/۷)

جتنے رسالوں کا ذکر ہم نے کیا یہ ایک نمونہ ہیں، فتاوی رضویہ اول و دوم، اور اس میں موجود تمام رسالے اور فتاویٰ کی اشاعت بڑا مشکل کام تھا، مگر اس کے باوجود حضور صدر الشریعہ نے دن رات کی محنت اور لگن سے امت مسلمہ کو بیش بہا خزانوں سے مالا مال کر دیا، اس جگہ استاد گرامی حضرت مولانا ال مصطفیٰ مصباحی جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی کا ایک جملہ نقل کر دینا بہتر ہوگا، آپ فرماتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ اگر موصوف (حضور صدر الشریعہ) کی نظر اس بنیادی کام کی طرف نہ گئی ہوتی تو امام اہل سنت کے بعض دیگر رسائل کی طرح یہ رسائل بھی یا تو دیمک کی نذر ہو چکے ہوتے یا پھر خزاں کا دست ستم انہیں اپنے شکنجہ میں لے چکا ہوتا'' (مقدمہ فتاوی امجدیہ جلد سوم ص نمبر باعتبار ابجد ''ض'')

آخری بات : چلتے چلتے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی حیات کا ایک روشن باب ضرور دیکھنا چاہیے جو پریس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

''کاموں کی تقسیم اوقات پر تھی، بعد نماز فجر ضروری وظائف (یعنی وظائف بھی ضروری ہیں) و تلاوت قرآن پاک کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ یا کچھ کم و بیش، پریس کا کام انجام دیتا، پھر فوراً مدرسہ جا کر اخیر وقت مدرسہ تک تعلیم دیتا، وہاں سے واپس ہو کر کھانا کھاتا، کھانے کے بعد مستقلاً دو یا تین بجے یعنی وقت نماز ظہر پھر پریس کا کام انجام دیتا، ظہر کے بعد مدرسہ جاتا، اور دو گھنٹہ مکمل یعنی وقت عصر تک تعلیم دیتا، بعد نماز عصر اعلی حضرت کی خدمت میں مغرب تک بیٹھتا، بعد مغرب عشا تک، اور عشا کے بعد بارہ ایک بجے شب تک اعلی حضرت کی خدمت میں فتویٰ وغیرہ جو کوئی کام ہوتا انجام دیتا، اس کے بعد مکان واپس آتا، کھانا کھانے کے بعد کچھ ضروری کام تحریر کا کرنے کے بعد تقریبا دو بجے شب میں سوتا، اعلی حضرت کے اخیر زمانہ حیات تک تقریبا یہی روزمرہ کا معمول رہا'' ۔(حیات صدر الشریعہ از مفتی عبدالمنان علیہ الرحمہ ص ۳۲/)

اب ہماری باری: مذکورہ پیراگراف میں پورے چوبیس گھنٹہ کی تفصیل آپ نے ذکر کر دی، ظاہر ہے ہم اس زمانہ میں نہیں ہیں، جب پریس کو مشکلات کا سامنا تھا، آج تقریبا ہر گھر میں کمپیوٹر اور پرنٹرس ہیں، نا حسن کتابت کی فکر ہے، نا فونٹ کی مشق کرنا ہے، نا ہی بہترین اور موزوں کاغذات کے انتخاب کے ہنر کی ضرورت ہے، کرونا کے درمیان لاک ڈاون نے سکھا دیا کہ آپ گھر بیٹھے بھی اپنا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں، لیپ ٹاپ کی اسکرین آپ کا بہترین کاغذ ہے، کی بورڈ بہترین قلم ہیں، اور کمپیوٹر کا سسٹم آپ کا معاون ہے، جیسا چاہیں ویسا فونٹ استعمال کریں، جتنا حسن تزئین کاری میں پیدا کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، انٹرنیٹ (بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کام کی مشین

از: **مولانا شاداب احمد برکاتی** (مارہرہ)

عمل پیہم زندگی کا دوسرا نام ہے۔ وہی زندگی دراصل زندگی ہے جس کا لمحہ لمحہ مسلسل کوششوں اور محنتوں سے مزین ہو، جس میں آوارگی اور جمود و تعطل نے راہ نہ پائی ہو۔ مشہور انگریزی ڈرامہ نگار جارج برناڈ شانے اپنی آخری زندگی میں کہا تھا: ''مجھے مزے کی بات میں فرصت نہیں، میری زندگی ایک مشعل ہے جسے آئندہ نسل کو سپرد کرنے سے پہلے میں اسے زیادہ سے زیادہ روشن دیکھنا چاہتا ہوں'' (ڈیل کارنگی، ص ۳۹)

اس تناظر میں جب ہم حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ حکیم امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت علیہ الرحمہ کی مبارک زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمت دین اور اشاعت علم سے عبارت ہے، یومیہ معمول ایسا تھا کہ فجر سے پہلے سے معمولات شروع ہوتے اور رات کے بارہ، ایک کبھی دو بجے تک جاری رہتے۔

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں (امام بخش ناسخ)

آپ کے شاگرد حضرت مولانا حسن علی ملتانی لکھتے ہیں: '' جب حضرت امام فن حدیث علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ کے توسط سے حضرت صدر الشریعہ کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے جامعہ منظر اسلام میں تقرر ہوا تو ایک طرف درس و تدریس میں انہماک، دوسری طرف مطبع اہل سنت کی تمام ذمہ داری آپ پر ڈال دی گئی، چھپائی کی نگرانی، کتابت کی تصحیح یہ آسان کام نہیں لیکن حضرت یہ سب کچھ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے، الغرض سرکار اعلیٰ حضرت جو کام بھی آپ کے ذمہ لگاتے بحسن و خوبی انجام دیتے اور اعلیٰ حضرت کے حسن معیار پر پورے اترتے۔ اس زمانے میں یہ جملہ زبان زد خاص و عام تھا کہ '' مولانا امجد علی صاحب تو کام کی مشین ہیں'' (ماہنامہ اشرفیہ، اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء کا صدر الشریعہ نمبر، ص: ۱۱۹)

یعنی جس طرح ایک مشین کم وقت میں بغیر تھکے اور بغیر کسی خامی و غلطی کے اپنا کام صد فی صد درست کرتی ہے ایسے ہی حیرت انگیز کارنامہ حضور صدر الشریعہ کا تھا کہ روزانہ دسیوں کام کرتے تھے اور پھر اگلے دن اسی تازگی سے کام کرتے کہ جیسے کوئی تھکن ہوہی نہ۔

حضو صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی زندگی چار حصوں میں منقسم ہے (۱) گھوسی شریف (۲) بریلی شریف (۳) اجمیر شریف (۴) دادوں، ضلع علی گڑھ، گھوسی کے معمولات شب و روز کہیں نہ مل سکے اس آخر الذکر تین مقامات کے معمولات شب و روز کو آنے والی سطروں میں ملاحظہ فرمائیں، آپ بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکیں گے صدر الشریعہ کام کی مشین تھے۔

قیام بریلی کے شب و روز: حضرت محدث کبیر مد ظلہا العالی کا بیان ہے کہ: ''صبح بہت جلد بیدار ہوکر مسجد تشریف لے جاتے، اگر مؤذن نہ ہوتا تو وضو کر کے خود اذان دیتے، سنتوں سے فارغ ہوکر معمولات مشائخ میں مصروف ہوجاتے، وقت پر فجر کی نماز با جماعت پڑھاتے''۔ (مرجع سابق، ص: ۱۶۱)

حضرت صدر الشریعہ خود بیان کرتے ہیں کہ: '' کاموں کی تقسیم اوقات پر تھی؛ بعد نماز فجر ضروری وظائف و تلاوت قرآن کریم کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ یا کچھ کم و بیش پریس کا کام انجام دیتا، پھر فوراً مدرسہ جا کر آخیر وقت مدرسہ تک تعلیم دیتا، وہاں سے واپس ہوکر کھانا کھاتا، کھانے کے بعد مستقلاً دو یا تین بجے یعنی وقت نماز ظہر، پھر پریس کا کام انجام دیتا، ظہر کے بعد مدرسہ جاتا اور دو گھنٹہ مکمل یعنی وقت عصر تک تعلیم دیتا۔ بعد نماز عصر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مغرب تک بیٹھتا۔ بعد مغرب عشا تک اور عشا کے بعد بارہ ایک بجے شب تک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں فتویٰ وغیرہ جو کوئی کام ہوتا انجام دیتا۔ اس کے بعد مکان واپس آتا کھانا کھانے کے بعد کچھ

ضروری کام تحریر کا کرنے کے بعد تقریباً دو بجے شب میں سوتا۔ اعلیٰ حضرت کے اخیر زمانۂ حیات تک تقریباً یہی روزمرہ کا معمول رہا'' (حیات صدر الشریعہ از بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ، ص ۳۲، رضا اکیڈمی، لاہور)

اس بزی شیڈول میں تین بہت اہم کام تھے: (۱) تدریس (۲) اعلیٰ حضرت کے فتویٰ اور خطوط کا املا لکھنا۔ (۳) پریس کے کام۔

(۱) آپ کی تدریس بھی آج کی تدریس سے بالکل جداگانہ تھی، آپ کتاب سامنے نہیں رکھتے تھے بلکہ طلبہ سے عبارت خوانی کراتے اور وہ بھی ایسی کی آپ کے تلامذہ کا بیان ہے کہ ہمیں عبارت خوانی میں پسینے چھوٹ جاتے تھے، پھر بغیر کتاب دیکھے پورے سبق کی ایسی جامع ومانع تقریر کرتے کہ ہمارے وہ سارے اعتراض ہوا ہوجاتے جو رات کے مطالعہ میں ہم تیار کر کے حاضر درس ہوتے تھے۔ اب یہاں ذرا ٹھہر کے سوچیں کہ ایسی تدریس کے لیے کتنے زبردست مطالعہ کی ضرورت ہوگی، مدرسین اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں

(۲) اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ اور خطوط کی املا: اس کے متعلق حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کا درج ذیل اقتباس پڑھیں اور اندازہ کریں۔ لکھتے ہیں: ''املا کو لوگ بہت آسان سمجھتے ہیں، اس میں کیا رکھا ہے، ایک صاحب نے بول دیا دوسرے نے لکھ دیا۔ لیکن اب مجھے جب فتاویٰ کا املا کرانے پڑ رہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ املا سب کا کام نہیں۔ املا کرانے کے لطائف وظرائف اگر میں لکھوں تو ہنستے ہنستے لوگوں کے پیٹ میں بل پڑ جائیں گے۔ لیکن اگر پھر انہی ہنسنے والوں سے املا کرایا جائے تو کم لطائف وظرائف مہیا نہ ہوں گے۔ پھر وہ بھی اعلیٰ حضرت کے ارشادات کا املا۔ اعلیٰ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ کہ: میرے ذہن میں مضامین اس تیزی کے ساتھ آتے ہیں کہ قلم ساتھ نہیں دے سکتا جب کہ اعلیٰ حضرت کا قلم اتنا تیز چلتا تھا کہ جناب سید قناعت علی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ: اعلیٰ حضرت اتنا تیز لکھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ لکھ نہیں رہے ہیں بلکہ ہاتھ میں رعشہ (کپکپی طاری) ہے اور بے اختیار ہاتھ کانپ رہا ہے۔ املا کرانے میں جب مضامین کی آمد ہو اور املا کرنے والا بولنے والے کا ساتھ نہ دے سکے تو آمد کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، اس وقت جی یہ چاہتا ہے کہ یا تو خود خودکشی کرلیں یا املا کرانے والے کو شوٹ کردیں۔ لیکن حضرت صدر الشریعہ اتنے زود نویس، صحیح نویس اور صحیح سننے والے تھے کہ کبھی کسی مضمون کو دوبارہ پوچھنے کی حاجت نہ ہوئی، اعلیٰ حضرت جس روانی سے ارشاد فرماتے اسی روانی سے صدر الشریعہ لکھتے جاتے۔ (صدر الشریعہ نمبر، ص ۴۵)

اسی کی روشنی میں قرآن مجید کے تیس پارے ''کنز الایمان'' کے املا کو بھی قیاس کریں۔ (تفصیل آگے ان شاء اللہ آئے گی)

(۳) پریس کا کام: شارح بخاری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں: ''مطبع اہل سنت کی پوری ذمہ داری حضرت صدر الشریعہ کے سر تھی، کاپیوں کی تصحیح اور پروف کی تصحیح خود ایک دقت طلب کام ہے، ذہین سے ذہین آدمی کی نظر چوک جاتی ہے، لیکن حضرت صدر الشریعہ کی نظر ایسی باریک بیں، صحیح بیں، صحیح خواں تھی کہ آپ کی تصحیح سے کئی ہزار صفحات چھپے مگر کسی ایک میں کہیں ایک نقطے کی غلطی آج تک نہیں مل سکی۔ خیال کیجیے فتاویٰ (رضویہ) جلد اول جو جہازی سائز کے ۸۸۰/ صفحات ہیں جس کے ہر صفحہ پر باریک خط سے ۲۳/ سطریں ہیں۔ اور حاشیہ پر فوائد کی تفصیل اور بھی باریک خط سے ہے۔ اور فہرست میں ۲۷/ سطریں ہیں پھر یہ فہرست ۲۲/ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ مگر آج تک کہیں کوئی غلطی نہیں مل سکی، سطح بیں لوگ اسے کوئی کمال نہ سمجھیں لیکن جس کا تصحیح سے سابقہ پڑ چکا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ ہفت خواں طے کرنے سے کم نہیں۔

آں قدح بشکست آں ساقی نماند
جب ساقی نہ رہا تو پیالہ بھی ٹوٹ گیا

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فتاویٰ چھپوانے کا اتنا بڑا شوق تھا کہ جب اجمیر شریف جانا طے ہوگیا تو نہایت عجلت سے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی کتابت کروائی اور اسے چھپوایا، ٹائٹل نہ چھپوا سکے تو بعد میں لوگوں نے ٹائٹل چھپوا کر لگایا'' (مرجع سابق، ص: ۴۶)

قیام بریلی کی مصروفیات ذکر کرتے ہوئے علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ نے درج ذیل امور بھی گنوائے ہیں: آمد وخرچ کا حساب، اعلیٰ حضرت کے بعض مسودات کا مبیضہ کرنا اور شہر وبیرون جات کے اکثر تبلیغی جلسوں میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ (مرجع سابق، ص ۷۶)

قیام اجمیر شریف کے معمولات: بریلی شریف

میں آپ کا قیام ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۴ھ تک رہا، اس طویل مدت کے تفصیلی مشاغل جو ہمیں دستیاب ہوئے آپ نے ماسبق میں پڑھا۔
۲۵ رجمادی الآخرہ ۱۳۴۴ھ کو حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف پہنچے، یہاں کے معمولات مذکورہ طریقے سے تفصیلی دستیاب نہ ہو سکے پھر بھی ایک جھلک سے آپ حضرت صدر الشریعہ کی محنت اور جذبۂ خدمت دین کو محسوس کر سکتے ہیں۔

مولانا محمد حسن علی ملتانی، شاگرد صدر الشریعہ حضرت محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد قدس سرہ کا قول نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ''(اجمیر شریف میں) اوقات مدرسہ کے سوا بھی پڑھاتے، عرس مبارک (حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ) کی تعطیلات کے ایام میں بھی پڑھاتے، جمعہ کے روز بھی اپنے دولت کدہ پر دھان منڈی میں پڑھاتے اور طلباء کو مذاہب باطلہ کے خلاف مناظرہ کی مشق کراتے اور خود نگرانی فرماتے''۔

علامہ حسن علی میلسی مزید بیان کرتے ہیں کہ: ''قیام اجمیر کے ایام میں جب حضرت صدر الشریعہ کا جسم بڑھنے لگا تو حکیموں کے مشورہ پر بعد نماز عصر سیر و تفریح کے لیے دولت باغ انا ساگر کی طرف پیدل تشریف لے جاتے۔ اس وقت حضرت سیدی محدث اعظم پاکستان حضور سیدی صدر الشریعہ کے ہمراہ ہوتے اور کوئی علمی کتاب ہاتھ میں ہوتی، سیر و تفریح بھی ہوتی رہتی اور کتاب کا درس بھی جاری رہتا'' (صدر الشریعہ نمبر، ص:۱۱۵)

قیام دادون کے معمولات: غالباً ۱۳۵۵ھ میں آپ مدرسہ حفیظیہ سعیدیہ دادون ضلع علی گڑھ تشریف لائے اور تقریباً سات سال تک علم و حکمت کے موتی لٹاتے رہے، یہاں کی زندگی بھی بہت زیادہ مصروف تھی، آپ کے شاگرد حضرت مولانا سید ظہیر احمد زیدی علیہ الرحمہ معمولات شب و روز بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''علی الصباح وقت مسنون میں آپ نماز فجر با جماعت ادا فرماتے اور مختصر سے وظیفہ کے بعد تلاوت قرآن حکیم میں مشغول ہو جاتے، طلوع آفتاب تک یہ سلسلہ جاری رہتا اور اشراق کا وقت ہو جانے پر نماز اشراق ادا فرماتے اور صحیح وقت پر پابندی کے ساتھ مدرسہ تشریف لے آتے، اوقات مدرسہ میں آپ کا کوئی گھنٹہ خالی نہ رہتا پورے وقت درس جاری رہتا۔

درس حدیث اس درجہ انہماک و استغراق کے ساتھ ہوتا تھا کہ آپ کو کسی آنے اور جانے والے کی بھی مطلق خبر نہ ہوتی، اس استغراق میں علم حدیث کے ساتھ مولانا کے ادب و احترام کا بڑا دخل تھا، ایک بار متولی مدرسہ جناب حاجی غلام محمد خان صاحب مرحوم کسی بد باطن کی حاسدانہ شکایت پر برائے تحقیق و معائنہ درجہ میں تشریف لائے، درسِ حدیث پاک کا سلسلہ جاری تھا، حضرت کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ متولی صاحب قریب ہی دروازہ پر کھڑے تھے لیکن آپ کو اُس طرف قطعاً توجہ نہ ہوئی، وہ خاموش واپس تشریف لے گئے اور مولانا کے خلوص، استغراق، للہیت اور روحانیت سے بے حد متاثر ہوئے، بعد میں جب متولی صاحب کے تشریف لانے کی اطلاع دی گئی تو قدرے استعجاب کے ساتھ سکوت فرمالیا۔

مدرسہ میں معمولات درس سے فارغ ہو کر چھٹی کے مابعد آپ حویلی تشریف لے جاتے اور دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر قیلولۂ مسنونہ ادا فرماتے، اور نماز ظہر با جماعت سے فراغت پانے کے بعد آپ مطالعۂ کتب میں مشغول ہو جاتے، اسی دور میں آپ نے بہار شریعت کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل فرمائی۔ نماز عصر ادا فرمانے کے بعد آپ بستی سے باہر چہل قدمی کے لیے تشریف لے جاتے، اس وقت ذہین و شوقین طلبہ کا ایک گروہ آپ کے جلوس میں ہوتا اور یہ وقت بھی آپ کا علمی مذاکرات میں گزر جاتا تھا، طلبہ کو اس چہل قدمی سے بھی عظیم فوائد حاصل ہوئے، لیکن بعد میں کمزوری صحت کی وجہ سے چہل قدمی کا یہ سلسلہ آپ کو موقوف کر دینا پڑا۔

نماز مغرب سے فارغ ہو کر آپ صلوٰۃ اوّابین ادا فرماتے اور طعام شب سے فارغ ہو کر مطالعۂ کتب میں مصروف ہو جاتے، نماز عشا کے بعد بھی مطالعۂ کتب جاری رہتا، کبھی کبھی طلبہ کی نگرانی کے لیے حویلی سے باہر بھی تشریف لاتے اگرچہ طلبہ کی مصروفیات و معمولات اور مطالعہ کے لیے مولانا امین الدین چھپروی مرحوم مستقل نگراں تھے تاہم حضرت بھی کبھی کبھی دار العلوم کا معائنہ فرما لیتے تھے''۔ (صدر الشریعہ نمبر۔ ص:۸۶)

آپ ہی کا بیان ہے کہ تین سال تک ہماری کوئی کتاب حضرت صدر الشریعہ کے زیر درس نہ ہوئی کیوں کہ آپ کو بڑی جماعتوں اور بڑی کتابوں سے ہی فرصت نہ تھی حالاں کہ ہم بھی ملا حسن پڑھتے تھے (جو آج مدارس میں طلبہ بلکہ مدرسین کے درمیان بھی بہت پریشان

کن کتاب خیال کی جاتی ہے اور صدر الشریعہ کی درسگاہ میں یہ معمولی کتاب تھی) اور ہمیں حضرت کے حلقۂ درس میں شامل ہونے کی بہت خواہش تھی چنانچہ بڑی ہمت کر کے ہم نے حضرت کے سامنے اپنی خواہش ظاہر کی۔ ابتداء حضرت نے اظہار آمادگی نہ فرمایا، کیوں کی واقعۃً اوقات فرصت کم یاب تھے۔ درخواست بار بار پیش کرتے رہے، اشتیاق بڑھتا گیا حتیٰ کہ حضرت صدر الشریعہ کا جذبۂ رحم ابھر آیا اور شفقت بے پناہ سے درخواست درجۂ قبول کو پہنچی"۔ (ملخصاً از مرجع سابق، ص۸۳/۸۴)

حاشیۂ طحاوی کے کام کی ضروری تفصیل

گذشتہ سطروں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت صدر الشریعہ کس قدر مصروف رہا کرتے تھے، اور اس وقت آپ کی عمر شریف ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی، ایسے وقت میں آپ کے چند تلامذہ نے کچھ مزید تصنیفی کام کی خواہش ظاہر فرمائی اور بالآخر شرح معانی الآثار یعنی طحاوی شریف پر تحشیہ کا کام کرنے کی تجویز پاس ہوئی اور کام شروع ہوا، طریقۂ کار کیا تھا؟ علامہ سید ظہیر احمد زیدی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں اور خود اندازہ کریں کہ آپ کو جو کام کی مشین کہا گیا وہ یوں ہی داد وتحسین اور حوصلہ افزائی کے لیے نہیں کہا گیا ہے بلکہ واقعی آپ کام کی ایسی مشین تھے کہ جسے دیکھ کر عقل حیران رہ جائے۔

لکھتے ہیں: طریقۂ کار یہ تھا: (۱) حضرت امام طحاوی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ احادیث جن سے مسلک حنفی کا اثبات ہوتا تھا، ان کے بارے میں کتب حدیث میں یہ تلاش کرنا کہ ان احادیث کو محدثین میں سے کس کس نے روایت کیا ہے۔ (۲) یہ کس محدث نے کس سند سے روایت کیا ہے۔ (۳) آیا جملہ محدثین نے ایک ہی سند سے روایت کیا ہے یا الگ الگ راویوں سے۔ (۴) مسلک احناف کے خلاف جو روایت حدیث ہے اس کے رواۃ کی تحقیق کہ وہ کس پایہ اور مرتبہ کے ہیں۔ (۵) ان راویوں نے کس عمر میں اس حدیث کو روایت کیا۔ (۶) راویوں کا خود اپنا مختار مسلک کیا تھا اور کس چیز پر ان کا عمل تھا (۷) مسلک حنفی کی مروی حدیث کے رواۃ کی تحقیق اور ان کی قوت ودرجہ۔ (۸) ان راویوں اور دیگر راویوں کے مابین تفقُّہ فی الدین میں تقابل۔ (۹) کون سی حدیث اول ہے اور کون سی آخر یعنی ناسخ ومنسوخ کی تحقیق (۱۰) فقہائے احناف کا اس مسئلہ میں مسلک (۱۱) امام طحاوی نے اگر جہاں کہیں ایسا قول اختیار فرمایا ہے جو مرجوح ہے تو "اقول" کہہ کر حضرت صدر الشریعہ کی اپنی تحقیق (۱۲) علامہ طحاوی نے مسئلہ پر جو تحقیق فرمائی اس کی تائید واثبات میں مزید علمی وتحقیقی دلائل۔

تحقیق کے یہ بنیادی اصول تھے جن کو سامنے رکھ کر کام شروع کیا گیا، ہمارا کام یہ تھا کہ حضرت صدر الشریعہ ہم میں سے جس کو جو حکم دیتے تھے وہ بجالاتا۔ پورا ہال کمرہ میں حدیث اور فقہ کی کتابیں بڑی تعداد میں پھیلی ہوئی تھیں، ہم میں سے ہر ایک کے سپرد کتابوں کی ایک بڑی تعداد تھی، جب حضرت کسی حدیث سے متعلق حوالہ جات طلب فرماتے تو ہم اس حدیث کو مختلف اور متعدد کتب احادیث میں تلاش کر کے پیش خدمت کر دیتے، آپ اس میں سے جو مفید ہوتا اخذ فرما لیتے اور نہایت ذمہ دارانہ تشریح فرماتے، تصنیف کی زبان عربی تھی"۔ (مرجع سابق، ص:۹۷/۹۸)

تلمیذ صدر الشریعہ علامہ مبین الدین امروہوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ: "تحشیہ کا کام محرم (۱۳۶۲ھ) سے شروع ہو کر شعبان تک چند مہینہ ہوا، اس کام کے لیے عشا کے بعد ۲/۳ گھنٹے مقرر تھے اور جمعہ کو صبح سے گیارہ بجے تک یا درمیان سال کی تعطیلات میں یہ کام انجام پاتا۔ اس مختصر مدت میں باریک قلم سے کچھ کم پانچ سو صفحات لکھے گئے۔ مشیت الٰہی کہ پھر وہ کام ملتوی ہو گیا اور اب تک مکمل نہ ہو سکا اور نہ شائع ہو سکا"۔ (اب ۲/ ضخیم جلدوں میں کشف الاستار حاشیۂ شرح معانی الآثار" کے نام سے شائع ہو کر شائقین فقہ وحدیث اور ارباب تحقیق کی آنکھوں کا سرمہ بن رہا ہے۔ شاداب)

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے معمولات سرسری نظر سے پڑھنے پر بہت آسان دکھائی دیں گے مگر جب درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تحقیق کے لطائف وکوذہن میں رکھتے ہوئے غور کریں گے تو یہ کہنا پڑے گا اس قدر علمی وتحقیقی مصروفیات وشاغل اور پھر ان مشاغل کو مسلسل بلا ناغہ پابندی سے جاری رکھنا حضرت صدرا لشریعہ کی کرامت ہے۔ گھریلو مصروفیات، اولاد کی ایسی تربیت کہ ہر ایک فرزند یکتائے روزگار بن جائے، اور وہ بھی متعدد ازواج سے ہونے والی اولاد میں مساوات قائم رکھنا، (یہ بڑا نازک مرحلہ ہوتا ہے جہاں بڑے بڑوں کے پیر پھسل جاتے ہیں مگر حضرت صدر الشریعہ کا تدبر تھا کہ اپنی اس مصروف زندگی میں خانگی معاملات کو بھی بحسن وخوبی انجام دیا، گھر کی تعمیر وتزین، بیعت (باقی صفحہ ۳۲ پر)

حضور تاج الشریعہ کی فقہی بصیرت

از: **مولانا شہباز اصدق** (ساؤتھ افریقہ)

ایک عظیم فقیہ اور کامل واکمل مفتی کی معرفت کے لیے فقیہ اعظم ہند، اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا درجہ ذیل اقتباس منارۂ نور ہے۔ ''فقہ یہ نہیں کہ کسی جزیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے۔ یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصول مقررہ وضوابط محررہ ووجوہ تکلم وطرق تفاہم وتنقیح مناط و لحاظ انضباط ومواضع یسر واحتیاط وتجنب تفریط وافراط وفرق مروایات ظاہرہ وتمیز درآیات غامضہ وظاہرہ ومنطوق ومفہوم وصریح وقول و جمہور ومرسل ومعلل ووزن الفاظ مفتیین وسبر مراتب ناقلین وعرف عام وخاص وعادات بلاد واشخاص وحال زمان ومکان واحوال رعایہ و سلطان وحفظ مصالح دین ودفع مفاسد مفسدین وعلم وجوہ تجریح واسباب ترجیح ومناہج توفیق ومدارک تطبیق ومسالک تخصیص و مناسک تقیید ومشارع قیود وشوارع مقصود وجمع کلام ونقد مرام فہم مراد کا نام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام ونظر دقیق وفکر عمیق وطول خدمت علم وممارست فن وتیقظ وافی وذہن صافی معتاد تحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے۔ اور حقیقۃ وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بمحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القا فرماتا ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۶، ص ۳۷۶-۳۷۷ مطبع مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات)

مذکورہ بالا اقتباس میں اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے ایک عظیم مفتی اور جلیل القدر فقیہ کے لیے جن علمی وفنی گہرائی وگیرائی کا تذکرہ فرمایا ہے اس کی کامل واکمل تنویر جانشین مفتی اعظم ہند حضور تاج الشریعہ علامہ الحاج الشاہ مفتی اختر رضا خاں المعروف ازہری میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات نظر آتی ہے۔ یہ نہ تو مبالغہ ہے اور نہ ہی محض عقیدت کے بول ہیں، بلکہ ایک مسلم حقیقت ہے۔ جس کا اعتراف معاصر علمانے انشراح صدر کے ساتھ کیا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ علوم اعلیٰ حضرت کے حقیقی وارث، جلیل القدر محدث، عظیم الشان مفسر، ممتاز مناظر، بالغ نظر فقیہ، نکتہ سنج مفتی، بلند پایہ ناقد ومحقق اور رضوی مسند افتا کے حقیقی حق دار تھے۔ اگر کہا جائے کہ تاج الشریعہ ہندوستانی فقہا میں عظیم فقیہ اور ممتاز مفتی تھے، تو بڑی ناانصافی ہوگی، کیونکہ حق تو یہ ہے کہ آپ عرب وعجم کے فقہا میں ممتاز اور سرخیل تھے۔ فقہ وفتویٰ نویسی میں آپ کی ثقاہت اور مہارت کے ثبوت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ نے عالم اسلام کے عظیم فقیہ سیدی مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے زیر تربیت رہ کر فتویٰ نویسی کی مشق فرمائی ہے اور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اپنی حیات میں مرکزی دارالافتا بریلی شریف کا آپ کو مفتی نامزد کر کے اپنا نائب اور قائم مقام فرمایا ہے۔ مفتی اعظم کی سرپرستی میں آپ نے سینکڑوں فتاوے تحریر فرمائے۔ ان میں بعض فتاوے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں، حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے مفتی اعظم قدس سرہ کے زیر تربیت ۱۹۶۶ء میں فتویٰ نویسی کا آغاز فرمایا۔ اور چون سال تک مسند افتاء پر جلوہ افروز رہ کر اعلی حضرت اور مفتی اعظم کے علمی وفقہی فیضان سے عالم اسلام کو فیضیاب کرتے رہے۔ عرب وعجم کے بیشتر ممالک سے آپ کے پاس سوالات آتے تھے۔ آپ کو عربی فارسی اردو اور انگلش زبان وادب پر مکمل عبور تھا۔ ان تمام زبانوں میں آپ کے فتاوے موجود ہیں۔

حضرت تاج الشریعہ کی فتوی نویسی پر امام اہل سنت کا اسلوب غالب نظر آتا ہے، بالترتیب، نصوص قرانیہ سے فتوی کو مزین کرنا، پھر احادیث مبارکہ سے مسئلہ کو مبرہن کرنا، بعدہ کتب فقہ سے جزئیات لانا۔ آپ کے فتاوے میں معتمد کتب فقہ وفتاوی کے جزئیات کی فراوانی ہوا کرتی ہے، جس سے آپ کے وسعت علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل فتاوے میں اکثر وبیشتر فتاوے ایسے ہیں جن کے جوابات میں درجن سے زائد کتابوں کے جزئیات موجود ہیں۔ اس قسم کا ایک فتویٰ غیر صحابی کو ''رضی اللہ عنہ'' کہنے سے متعلق

ہے۔ جس میں اس کے جواز پر حضور تاج الشریعہ نے اولا فقہا عظام کی کتابوں سے ۱۳ حوالے پیش کئے اس کے بعد مناظرانہ انداز میں خود دیوبندی مولوی کی کتاب سے بھی چند حوالے تحریر فرمادیے ہیں۔ اس فتویٰ کا آغاز آپ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے ''جائز ہے اور جواز کے لیے یہی بس ہے کہ شرع مطہرہ سے اس کی ممانعت نہیں۔ جو عدم جواز کا مدعی ہے بار ثبوت اس پر ہے جس سے وہ ہرگز قیامت تک عہدہ برآ نہ ہوسکے گا۔ یہی نہیں بلکہ بلا دلیل محض زور زبان سے ایک امر جائز و معمول اہل سنت کو ناجائز کہہ کر اللہ و رسول پر افترا ان کے حکم سے سرتابی ان کے فرمان واجب الاذعان کی تکذیب کا وبال شدید اس کے سر پر رہے گا۔ افترا یہ کہ اللہ و رسول نے رضی اللہ عنہ کہنا منع نہ فرمایا نہ کسی گروہ کے لیے خاص فرمایا اور یہ ممانعت کا قائل۔ حکم سے سرتابی یہ کہ بے دلیل بزور زبان کسی شے کو حلال وحرام کہنا ممنوع فرمایا گیا۔ قال تعالیٰ ''ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال و هذا حرام (سورہ نحل آیت ۱۱۶) اور یہ بے دلیل حرام کہنے پر مصر۔ فرمان کی تکذیب یوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم فرماتے ہیں ''ما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن ''(المقاصد الحسنۃ للسخاوی، ص۴۲۲) جسے مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان خدا کا فرمان ہے۔ قال تعالیٰ ''ان هو الا وحی یوحیٰ'' (سورہ النجم، آیت ۴۰) اور حضور جسے اچھا فرمائیں یہ اسے ناجائز کہے۔ یہ تکذیب خدا اور رسول ہوئی۔ پھر حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''لا تجتمع امتی علی ضلالة ''(المقاصد الحسنۃ، ص ۵۲۶) میری امت گمراہی پر اکٹھی نہ ہوگی۔ تو جو کسی معمول اہل سنت کو بے دلیل ناجائز کہتا ہے وہ امت محمدیہ کو گمراہ کہتا ہے حالانکہ حضور علیہ السلام فرماچکے۔ میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی یہ خدا و رسول کی تکذیب بالائے تکذیب ہوئی۔ اور یہ طریقہ سنیہ اہل سنت و جماعت کو چھوڑنا اور خدا و رسول کی دشمنی مول لینا اور جہنم کی راہ لینا ہے۔ قال تعالیٰ ''و من یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولیٰ و نصله جهنم و سائت مصیرا ''(سورہ نساء، آیت ۱۱۵) اور جو اللہ و رسول سے دشمنی کرے اور مسلمانوں کی راہ سے جدا چلے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ پھر گیا اور جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ پھر قرآن عظیم خود صحابہ اور ان کے جملے اتباع کو بالعموم بے تخصیص بشارت دے رہا ہے ''رضی الله عنهم و رضوا عنه ''(سورہ بینہ، آیت ۸) تو بزرگان دین کے لیے رضی اللہ عنہ کہنا قرآن عظیم کی اقتدائے حمید ہے جسے وہابیہ بزور زبان ناجائز وحرام کہتے ہیں تو ان کا یہ طعن اہل سنت پر نہیں بلکہ خدا کی بارگاہ میں اساءت ادب ہے۔

اصولی انداز میں قرآن مجید سے استدلال کرنے کے بعد غیر صحابی کے لیے رضی اللہ عنہ کے جواز پر ۸ رکتب مشائخ سے ۱۳ رحوالے اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ ''بالجملہ بزرگان دین کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا جائز اور اس میں صحابہ رضی اللہ عنھم کی تخصیص کا دعویٰ غلط و نامسموع علمائے اسلام اپنی کتب میں تابعین و تبع تابعین کے لیے رضی اللہ عنہم تحریر کرتے آئے ہیں تبیین الحقائق زیلعی میں ہے ''والفرق لابی حنیفہ رضی اللہ عنہ'' (تبیین الحقائق، ج ۷، ص ۴۲۱)

اسی میں ہے ''و ذکر الحاکم ابو محمد روایة عن ابی حنیفه رضی الله عنهما ''(تبیین الحقائق، ج ۷، ص ۴۴۷)

اسی میں ہے ''و رضی الله تعالی عن اصحاب رسول الله و عن التابعین و تابع التابعین لهم باحسان الی یوم الدین ''(تبیین الحقائق، ج ۷، ص ۵۱۲) بیضاوی میں ہے ''و عن ابی حنیفه رضی الله عنه ''(تفسیر بیضاوی، ج ۱، ص ۱۲) حاشیہ میر سید شریف علی الکشاف میں ہے ''و المشهور من مذهب ابی حنیفة رضی الله عنه و اتباعه ''ردالمحتار میں ہے ''قوله (التستری) امام اعظم رضی الله عنه ''(ردالمحتار ج ۱، ص ۱۴۹) اسی میں ہے ''لا سیما الامام الشافعی رضی الله عنه '' (ردالمحتار، ج ۱، ص ۱۴۹) درمختار میں ہے ''و مما قال فیه ابن المبارک رضی الله عنه ''(درمختار، ج ۱، ص ۱۵۷) حدیقہ ندیہ میں ہے ''اتباع النبی صلی الله علیه و سلم و الصحابة و التابعین و ائمة الهدیٰ رضی الله عنهم ''(الحدیقۃ الندیۃ ج ۱، ص ۳۰۵) نہایۃ الزین میں ہے ''یجب علی من لم یکن فیه اهلیة الاجتهاد المطلق ان یقلد فی الفردوا حدا من

الائمة الاربعة المشهورين وهم الاما م الشافعي و الامام ابو حنيفة و الامام مالک و الامام احمد بن حنبل رضی اللـه عنهم ''(نھایۃ الزین، ج ا،ص ۷)اسی لیے تنویر و درمختار میں تصریح فرمائی کہ صحابہ وتابعین بزرگان دین وغیرھم کے لیے رضی اللہ عنہم کہنا جائز ہے''و هـذا نـصه و يستحب الترضی للصا بة و كـذا مـن اختلف نبوته و الترحم للتابعين و من بعدهم مـن العـلـماء و العباد و سائر الاخيار كذا يجوز عكسه الترحـم للصحابة و الترضی للتابعين و من بعدهم علی الـراجـح ''(درمختار، ج ۱۰ص ۴۸۵)حدیقہ ندیہ میں فرمایا''هـل يـجـوز عـكسـه ؟ فـقـال بـعـضهم لايجوز بل الترضی مـخـصـوص بالصحا بة و قا ل النووی هذ اغير صحيح بـل الـصـحيـح الـذی عليه الجمهور استحبابه و دلائله اكثر من ان تحصی ''(الحدیقۃ الندیۃ، ج ا،ص ۴۷)

حوالہ جات کی اتنی کثرت، جزئیات پر مضبوط پکڑ کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔فتوی کے اخیر میں مناظرانہ انداز میں لکھتے ہیں'' آخر میں دیوبندیوں کے مستند مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کی چند عبارتیں پیش کر دینا مناسب۔تذکرۃ الرشید ج ۲،ص ۲۲ میں ہے''جس زمانہ میں احقر حضرت مرشدنا مولانا محمد رفیع الدین صاحب نقشبندی مجددی خلیفہ حضرت شاہ عبد الغنی مجددی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر رہتا تھا''۔اسی میں صفحہ ۲۴ ر پر ہے''اور مقولہ حضرت مجد الف ثانی قیوم ربانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ''۔صفحہ ۲۵ ر پر ہے''الی آخره ماقال رضی الله تعالیٰ عنه ''۔(فتاوی تاج الشریعہ ج ا،ص ۴۷۱ تا ۴۷۵)

فتاوی تاج الشریعہ کے محققانہ اسلوب کی ایک جھلک

ایک جھلک : سائل نے سوال کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا یا تارح؟۔پھر آزر کے والد ہونے پر راغب اسفہانی، تفسیر ابن کثیر اور اتقان کے درجہ ذیل حوالے نقل کیے۔(۱) ''قيل كـان اسـم ابيه (ای ابراهيم) تارح فعرب فجعل آزر''(راغب اصفہانی ص ۱۳)(۲)''قـال ابـن الـجـريـر الـطبـرانی فی تفسيره و قد يكون له (ای الازر) اسمان كـما لكثير من الناس او يكون احدهما لقبا و هذا الذی قـالـه جيد قوی ''(تفسیر ابن کثیر ج ۲،ص ۱۵۱)(۳)''و هو (ای ابراهيم) ابن آزر اسمه تارح ''(الاتقان فی علوم القرآن ،ج ۲،ص ۱۳۸)

تاج الشریعہ اس کا فاضلانہ اور محققانہ جواب دیتے ہوئے رقم فرماتے ہیں''آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ تھے ان کے والد کا نام تارح تھا اور آزر آپ کے چچا کا نام ہے جو کافر تھا۔یہی مسلک بکثرت نسابین (یعنی وہ لوگ جو شجرہ نسب بیان کرتے ہیں) کا ہے اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سلف کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے چنانچہ مسالک الحنفا میں امام سیوطی فرماتے ہیں''و هـذا الـقـول اعنی ان آزر ليس ابا ابراهيم ورد عـن جـماعة من السلف اخرج ابن ابی حاتم بسند ضـعيف عـن ابـن عباس فی قوله ''و اذ قال ابراهيم لابيه آزر ''قـال ان ابـا ابـراهيـم لـم يكن اسمه آزر و انما كان اسـمـه تارح ''یعنی یہ قول کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہ تھا،ایک جماعت سلف سے وارد ہوا ابن حاتم نے بسند ضعیف ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت''و اذقال ابراهيم لابيه آزر ''ان کے باپ کا نام تارح تھا۔اسی میں مجاہد سے ہے''لـيـس آزر ابـا ابـراهيم ''۔آزر ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام نہ تھا۔اسی میں ابن جریج سے بسند صحیح بروایت ابن المنذر رہے کہ ابن جریج نے فرمایا ''لـيـس آزر بـابـيـه انـما هو ابراهيم بن تيرح او تارح بن شاروخ بـن نـا حـور بـن فا لخ ''۔اسی میں سدی سے بسند صحیح بطریق ابن ابی حاتم مروی ہوا''ا نـه قـيـل لـه اسم ابی ابراهيم آزر؟ فـقال بل اسمه تارح ''یعنی سدی سے کہا گیا ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ہے،انہوں نے فرمایا بلکہ ان کے والد کا نام تارح ہے''(فتاوی تاج الشریعہ جلد اول ص ۲۱۸۔۳۱۹)

اس کے بعد باعتبار لغت اس مسئلہ کی توجیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں''اسی مسلک کی توجیہ باعتبار لغت یوں ہے کہ لفظ اب کا اطلاق چچا پر شائع و ذائع ہے اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود ہے قال تعالیٰ''ام كـنـتم شهداء اذ حضر يعقوب الموت اذ قـال لـبـنـيـه مـا تـعـبدون من بعدی قالوا نعبد الهک و اله آبـائـک ابراهيم و اسماعيل و اسحا ق ''(سورہ بقرہ آیت

۱۳۳) کیا تم اس وقت حاضر تھے جب (حضرت) یعقوب (علیہ السلام) کی وفات کا وقت تھا، جبکہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا میرے بعد تم کسے پوجو گے تو بولے ہم آپ کے خدا اور آپ کے آبائے کرام ابراہیم و اسماعیل و اسحاق (علیہم السلام) کے خدا کو پوجیں گے۔ آیت کریمہ میں اسماعیل علیہ السلام کو اب (باپ) فرمایا حالانکہ وہ چچا ہیں۔ (فتاوی تاج الشریعہ ج ا، ص ۳۲۰)

حضرت تاج الشریعہ نے باعتبار لغت مسئلہ حقہ کو منقح فرمانے کے بعد امام سیوطی قدس سرہ سے نقل کرتے ہوئے سلیمان بن صرد کے اثر سے حجت قائم فرمائی۔ آپ لکھتے ہیں ''امام جلال الدین سیوطی نے ایک اثر سے ثابت فرمایا ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہی تھا جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعائے مغفرت فرمائی تھی پھر جب آپ کو اس کا حال روشن ہوا تو آپ اس سے بیزار ہو گئے چنانچہ اسی مسالک الحنفا میں ہے'' **و یر شحہ ایضا ما اخرجہ ابن المنذر فی تفسیرہ بسند صحیح عن سلیمان بن صرد قال لما ارادو ا ان یلقوا ابراھیم فی النار جعلو ا یجمعون الحطب حتی ان کانت العجوز لتجمع الحطب فلما ان ارادو ا ان یلقوہ فی النار قال حسبی اللہ و نعم الوکیل فلما القوہ قال اللہ "یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم "فقال عم ابراھیم من اجلی دفع عنہ فارسل اللہ علیہ شرارۃ من النار فوقعت علیٰ قدمہ فاحرقتہ .فقد صرح فی ھذا الاثر بعم ابراھیم و فیہ فائدۃ اخریٰ و ھو انہ ھلک فی ایام القاء ابراھیم فی النار و قد اخبر ا للہ سبحانہ فی القرآن بان ابراھیم ترک الاستغفار لہ لما تبین لہ انہ عدو اللہ وورددت الآثار بان ذلک تبیین لہ لما مات مشرکا و انہ لم یستغفر لہ بعد ذالک**'' (مسالک الحنفا، ص ۶۲۰)

اس کے بعد اس مسئلہ پر علما کی کتب سے استناد فرمایا بعدہ سوال میں مذکور ان حوالوں کے جواب کی طرف توجہ فرمائی جن سے بظاہر آزر کا والد ہونا ثابت ہوتا ہے ان عبارت کا جواب جس خوش اسلوبی سے رقم فرمایا ہے وہ آپ کی اعلی نثر نگاری، وسعت علمی اور اعلی فقہی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ تحریر فرماتے ہیں ''رہی مفردات کی عبارت تو وہ ''قیل'' سے شروع ہے اور قیل سے قول ضعیف کو تعبیر کرتے ہیں اور کبھی مجرد قول کی حکایت مقصود ہوتی ہے مگر غالب ضعف کی طرف اشارہ کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے تو باعتبار غالب امام راغب کے نزدیک بھی یہ قول ضعیف معلوم ہوتا ہے اور علی الاقل احتمال تو ہے اور محتمل کو مستدل بنانا صحیح نہیں۔

اور ابن کثیر کی عبارت جو یہاں تحریر ہوئی اسی تفسیر ابن کثیر میں اس سے پہلے یوں تحریر فرمایا ''**قال الضحاک عن ابن عباس ان ابا ابراھیم لم یکن اسمہ آزر و انما کان اسمہ تارح رواہ ابن ابی حاتم و قال ایضا حدثنا احمد بن عمرو بن ابی عاصم النبیل حدثنا ابو عاصم النبیل حدثنا ابی حدثنا ابو عاصم شبیب عن ابن عباس فی قولہ "واذ قال ابراھیم لابیہ آزر "یعنی بآ زر الصنم و ابو ابراھیم اسمہ تارح و امہ اسمھا مثانی و امراتہ اسمھا سارۃ و ام اسماعیل اسمھا ھاجرۃ و ھی سریۃ ابراھیم و ھکذا قال غیر واحد من علما النسب ان اسمہ تارح** ''۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ آزر کی تفسیر میں ضحاک نے ابن عباس سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہ تھا بلکہ تارح تھا اور ضحاک ہی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس سے آزر کی تفسیر میں روایت کی کہ انہوں نے فرمایا: آزر صنم کا نام ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارح تھا اور ماں کا نام مثانی اور بیوی کا نام سارہ تھا اور آپ کی کنیز ام اسماعیل کا نام ہاجرہ ہے اور اسی طرح بہت سے علمائے نسب کا قول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارح ہے۔

تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما اور اکثر علماء کے مقابل تنہا ابن جریر علیہ الرحمہ یا ابن کثیر کا قول کیونکر لائق تحسین ہے اور اتقان کی عبارت کا جواب خود تصریحات امام سیوطی علیہ الرحمہ سے ہو گیا پھر خود اسی اتقان میں ہے'' **و لو الذی اسم ابیہ تارح و قیل آزر و قیل یازر و اسم امہ مثانی و قیل نوفا و قیل لیوثا** ''(**الاتقان فی علوم القرآن فی ذکر آیۃ المبھمات**) ۔یعنی ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارح تھا اسی لیے اسے مقدم کیا اور آزر کو قیل (کہ مشعر ضعف ہے) سے تعبیر کیا۔ یہاں سے ظاہر کہ

اتقان کی وہ عبارت جو اس تصریح کے خلاف ہے ناسخ کی طرف سے زلت قلم یا سہو و نسیان کا نتیجہ ہے (فتاوی تاج الشریعہ ،ج ا،ص ۳۲۲۔۳۲۱)

عقابی نگاہ کا جوہر: سوال سے سائل کا مقصد خیر و شر سمجھنا اور اس کے پیش نظر جواب تحریر فرمانا ایک ماہر، نباض اور دقیقہ سنج مفتی کی علامت ہے۔ تاج الشریعہ کے فتاوے کے مطالعہ سے یہ بات عقلِ سلیم پر روشن ہوتی ہے کہ تاج الشریعہ میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا، آپ ایک ماہر و نباض فقیہ اور صاحب عرفان مفتی تھے۔ سوال کی باریکیاں آپ کے پیش نظر ہوا کرتی تھیں اور اس کے مطابق ہی آپ فتوی قلم بند فرماتے تھے۔ ایک مثال ملاحظہ کریں۔ مہیش پور سے ایک صاحب نے استفتاء کیا۔ سوال زید و بکر کے فرضی ناموں پر مشتمل تھا۔ اس میں اعلی حضرت کا نام ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ سوال تھا کہ جملہ پیغمبر علیہم السلام اور خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنی اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں حتیٰ کہ اپنی اپنی بیویوں سے مباشرت بھی کرتے ہیں اور ان کو صرف ایک عارضی موت ہوتی ہے۔ کیا اس عقیدہ کو رکھنے والا، اپنی تصنیف میں طبع کرانے والا خارج از اسلام ہے۔

جب سوال حضور تاج الشریعہ کے ملاحظہ میں آیا تو آپ کی نگاہ دوربیں نے سوال کی مقصدیت کو ملاحظہ کیا، پھر جس لب ولہجہ میں آپ کے اشہب قلم نے عقابی گرفت فرمائی، اس سے شمشیر رضا کی باریک بینی دقیقہ سنجی اور علمی جلالت، فقہی بصیرت ظاہر ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔ ''بے شک مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں حیات حقیقی روحانی و جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اس لیے ان کا رزق منقطع نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں ہے ''**ان اللہ حرم علیٰ الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی فی قبرہ یرزق**'' (مشکوۃ المصابیح ص ۱۲۱) اللہ تعالی نے زمین پر حرام فرما دیا کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے تو اللہ کا نبی اپنی قبر میں زندہ ہے انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اور یہ کہ انبیا کرام پر ان کی ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان سے شب باشی فرماتے ہیں۔ اس قول کی تصریح علامہ زرقانی نے فرمائی اور ائمہ دین نے اسے مقرر رکھا ہے۔ تو اس پر تکفیر اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے ان تمام کی تکفیر ہوگی اور فی الحقیقت یہ وہابیہ کے دین و ایمان کی بربادی ہے کہ اپنی گستاخی پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اپنی گستاخانہ عبارتوں پر پردہ ڈالنے کو ایسی بات پر اعلیٰ حضرت کی تکفیر کیا چاہتے ہیں جس میں نہ اصلا کسی مسئلہ ضروریہ دینیہ کا انکار نہ کسی طرح قرآن وحدیث کے خلاف بلکہ خود حدیث کے مفاد سے ثابت ہے کہ وہاں ''یرزق'' فرماتے ہیں اور ''یرزق'' تمام مواہب الہیہ کو شامل ہے اور اسے محض کھانے پینے سے خاص کرنا وہابیہ کی تنگ سمجھدانی ہے۔ اسی لیے علامہ شرنبلانی نے نور الایضاح میں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے متعلق فرمایا ''**ممتع بجمیع الملاذ و العبادات**'' [نور الایضاح ص ۲۰۷] یعنی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو تمام لذتیں اور تمام عبادتوں سے قبر انور میں بہرہ حاصل ہے۔ جی اب ہوش ہوا؟ تکفیر ملت پوری کیجیے اور شرنبلانی کو بھی خارج از اسلام کہیے بلکہ حدیث و صاحب حدیث صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر بھی حکم کیجیے اور پھر دیکھیے کہ کون مسلمان رہتا ہے۔ (فتاوی تاج الشریعہ، ج ا، ص، ۳۲۵)

مذکورہ سوال کا جو جواب حضرت تاج الشریعہ نے تحریر فرمایا اور یہ کہ'' انبیا کرام پر ان کی ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان سے شب باشی فرماتے ہیں'' اس عقیدہ کے حوالے سے جس طرح اعلی حضرت کی تائید میں امام زرقانی اور صاحب نور الایضاح علامہ شرنبلانی علیہما الرحمہ کا حوالہ پیش کر کے دیابنہ وہابیہ کا تعاقب کیا ہے اس سے آپ کی بالغ نگاہی، دقیقہ سنجی اور باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۹ کا) اور سوشل میڈیا کے ساتھ پی ڈی ایف نے آپ کا کام آسان کر دیا ہے، سرچ آپشن کے ساتھ کتابوں کے طرح طرح کے اپلکشنز موجود ہیں، آپ کو کسی لائبریری میں جانے کی ضرورت نہیں، کسی عبارت کو تلاش کرنے میں وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ لوگوں نے آج انٹرنیٹ کو پڑھا لکھا کر بڑا کر دیا ہے، وہ آپ کی مدد کو تیار ہے، بس وقت کا صحیح استعمال اور موضوع کا صحیح انتخاب، امت مسلمہ کو بہت سے چھپے ہوئے خزانے سے آشنا کر سکتا ہے۔

رضوی کہکشاں کا ایک تابندہ اختر

از: مولانا نوید اختر قادری ﴿سری لنکا﴾

تقریباً پچھلے ڈیڑھ سو سال سے چرخِ اسلام پر رضوی کہکشاں کے مختلف ستاروں نے اپنی دودھیا روشنی کے ذریعہ دین حق کو گرد پوش آئینۂ شب دیجور کی تاریکی سے محفوظ رکھا ہے، اور صراط مستقیم ان ستاروں کی ضیا بار کرنوں سے منور ہے، فرنگی تہذیب و ثقافت کی بالادستی کے باوجود رضوی خانقاہ کے شیریں اور لذیذ جام حیات نے ہماری ظاہری و باطنی کثافت کی تطہیر کا سامان مہیا کر دیا ہے، اور گلستان رضویت کی مہک سے مشام جاں معطر ہے۔ قندھار سے آئے ہوئے عشاق رسول کے رضوی قافلہ نے غیر منقسم ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کو محبت کا جام کیا پیش کیا روئے زمین ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے نغموں سے گونج اٹھی، اور پھر کسی کہنے والے نے یہ تک کہہ دیا کہ، پوری دنیا میں اذان کے بعد اگر کوئی نغمہ سب سے زیادہ گنگنایا جاتا ہے تو وہ سلام رضا ہے، زبان و تہذیب کے اختلاف کے باوجود سلام رضا کو دنیا میں وہ مقبولیت ملی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی، اگر اس قبولیت کی وجہ تلاش کرنے نکلیں تو یقیناً منزل کے آخری پتھر پر یہ تحریر ضرور کندہ پائیں گے کہ یہ تمام تر جلوہ سامانیاں محض اس لیے ہیں کہ ''امام احمد رضا نے جان و دل ہوش و خرد سب کچھ محبوب رب کائنات کے قدموں میں نچھاور کر دیا ہے''۔ اسی رضوی کہکشاں کے ایک تابندہ ستارے کا نام ''محمد اسماعیل'' معروف بہ اختر رضا خان ازہری ہے۔

عشق و عرفان کی دولت تقسیم کرنے والے اس خاندان کی تاریخ پڑھنے والا قاری حیرت و استعجاب کے صحرا میں گم ہو جاتا ہے کہ نبی کے ان غلاموں کو کیا کہوں، مجذوب کہوں؟ یا عالم شریعت کہہ کر آگے بڑھ جاوں، یا طریقت کا امام کہوں، صاحب کشف و کرامت کہوں یا علوم دینی و دنیوی کا مجمع بحرین کہوں؟ بالآخر جھنجھلا کر پکار اٹھتا ہے کہ ''ایں ہمہ خانہ آفتاب''۔ عشق رسول ہی تو وہ دولت ہے کہ اگر کسی کو میسر آ جائے تو دنیا کی تمام رونقیں چوکھٹ پر باریابی کا شرف حاصل کرنے کو اشارہ ابرو کی منتظر رہتی ہیں۔

وارفتگان عشق مصطفیٰ کے امام، امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کے دو شہزادے ہوئے، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان اور سرکار مفتی اعظم عالم علامہ مصطفیٰ رضا خان علیہما الرحمہ، حجۃ الاسلام کے شہزادے مفسر اعظم علامہ ابراہیم رضا خان اور سرکار مفتی اعظم ہند کی شہزادی کے درمیان مناکحت طئے پائی، اور ۲۳ رنومبر ۱۹۴۳ء کو مفسر اعظم کا آنگن جس کی کلکاریوں سے گونج اٹھا اس کا نام محمد اسماعیل رضا خان رکھا گیا اور پکارنے کے لیے اختر رضا خان۔

خاندان رضویہ میں نام رکھنے کی رسم کا انداز بھی بڑا نرالہ ہے، والد ابراہیم تو بیٹے کا نام اسماعیل، گویا حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی بارگاہ سے خاص فیض حاصل کیا جا رہا ہے، کیونکہ آنے والا وقت قربانیوں کا تقاضہ کر رہا تھا۔ جن فتنوں کو امام احمد رضا نے ناکوں چنے چبوا دیے تھے وہ ابھی دوبارہ اٹھنے والے تھے، اور ریشہ دوانیوں کا ایک سلسلہ ابھی باقی تھا، امت مسلمہ کو ابھی ایک اسماعیلی صفت سے آراستہ ذات کی ضرورت تھی۔ اس عظیم داعی دین کی بے داغ زندگی کے روشن ابوب سے چند پہلو آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

بسم اللہ خوانی کا روح پرور منظر: چار سال چار ماہ کے ہوئے تو علم و حکمت اور رشد و ہدایت کے بحر ذخار سرکار مفتی اعظم عالم نے بسم اللہ خوانی کرائی، اب ذرا ایک لمحہ ٹھہر کر اس بسم اللہ خوانی کا تصور جمایا جائے، ایک طرف والد گرامی مفسر اعظم ہند کی شفقت بھری نگاہیں ہیں، دوسری جانب نانا جان سرکا مفتی اعظم ہند کا نور برساتا وجود ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ مجلس دین حق کے عظیم قلعہ مدرسہ منظر اسلام کے طلبا، علما و اساتذہ سے بھری ہوئی ہے،

اور بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کی جارہی ہے، ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اگر طلبا واساتذہ کو اشارہ کیا جارہا ہے کہ مستقبل کے عظیم داعی دین کے رسم بسم اللہ خوانی ہے، تو دوسری جانب نواسے کو بھی مجمع عام میں بلا خوف وخطر رہنے کی مشق کرادی۔

شعور کی منزلوں پر پہنچے تو چاروں جانب علم وعمل، تصوف وسلوک فضل وبزرگی، اور جذبۂ عشق رسالت کی تپش سے معمور شخصیات نظر آئیں، جن کے علمی وقار کا ڈنکا عجم سے لے کر عرب تک بج رہا تھا، ابتدائی تعلیم گھر کی چہار دیواری میں مکمل کی۔ مگر جن فتنوں سے اس شہزادے کا مقابلہ ہونا تھا اس کے لیے اردو، کے ساتھ ہندی اور انگریزی پر بھی دسترس ضروری تھی، اس لیے ایف آر اسلامیہ انٹر کالج میں داخلہ لیا، خداداد ذہنی صلاحیت سے بہت کم وقت میں انگریزی اور ہندی پر مکمل عبور حاصل کرلیا، اور منظر اسلام میں درس نظامی کا باقاعدہ اہتمام کر دیا گیا، عرب شریف سے تعلق رکھنے والے قابل استاد حضرت الشیخ مولانا عبد التواب مصری کی بارگاہ میں عربی زبان پر مہارت حاصل کی گئی، عربی زبان پر مہارت حاصل کرنے کا طریقہ پروفیسر شاہد اختر حبیبی کی زبانی سنیے:

’’عربی زبان پر مہارت کی جو تدبیر نکالی گئی وہ مزے کی تھی، آپ عربی اخبارت پڑھ کر استاد گرامی کو سناتے، مشکلات زبان کا حل نکالا جاتا، پھر اردو اور ہندی کے اخبارت پڑھ کر ان کا عربی ترجمہ فرماتے، کچھ ہی دنوں میں آپ عربی اہل زبان کی طرح بولنے پر قادر ہوگئے‘‘ (تجلیات تاج الشریعہ ص ۱۰۵)

جامعہ ازہر کی دلچسپ کہانی: شیخ عبد التواب مصری کی گذارش پر حضور مفسر اعظم نے آپ کو ۱۹۶۳ء میں الجامعۃ الازہر مصر بھیج دیا، اور کلیہ اصول الدین میں داخلہ لیا، جامعہ ازہر کے اساتذہ کو ہند سے آنے والا ایسا پہلا شاگرد ملا تھا جو اول روز سے بلا تکلف عربی بول سکتا تھا، ظاہر حیرت اپنی انتہا پر ہوگی، پہلا سالانہ امتحان ہے، اور زبانی سوال وجواب کا سیشن لگا ہوا ہے، آپ سے علم کلام سے متعلق ایک سوال کیا گیا، برجستہ اس سوال کا بہترین اور صراحت کے ساتھ جواب دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اساتذہ حیرت و استعجاب کی تصویر بن گئے اور سوال کیا کہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ ایک طالب علم جس کے نصاب میں علم کلام داخل ہی نہیں پھر بھی اس فن پر استعداد واستحضار کا یہ عالم؟ جواب دیا گیا کہ منظر اسلام میں دوران طالب علمی علم کلام کی کتابیں سرسری پڑھی تھیں وہ ذہن میں کہیں موجود ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ استاد کی حیرت میں مزید اضافہ کرتے ہوئے گویا ہوتے ہیں کہ سوالات بہت آسان تھے، مشکل سوال بھی ہوتا تو جواب دیا جاتا (ملخصاص ۱۰۵ /حوالہ سابق)

اے دامن تاج الشریعہ سے وابستہ مریدو! اپنی قسمت پر ناز کرو، تمہیں پیر بھی ایسا ملا کہ جس پر ازہر کے اساتذہ فخر کریں۔

ازھر سے بریلی شریف واپسی: لائق فائق شہزادہ کو مصر گئے ہوئے ابھی دو سال ہوئے تھے کہ والد گرامی حضور مفسر اعظم علامہ ابراہیم رضا خان نے داعی اجل کو لبیک کہا، ظاہر ہے کہ ہزاروں میل دور جب یہ خبر ملی ہوگی تو دل کی کیفیات ہوں گی، معلوم نہیں زخم دل پر مرہم رکھنے والا کوئی تھا یا نہیں، پدرانہ شفقتوں کی یادوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہوگا، آخری دیدار کو نگاہیں تڑپ رہی ہوں گیں، اور فکر وخیال کا اس پدرانہ سایہ کی محرومی پر آہ و فغاں کرنا انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ ۱۹۶۶ء میں حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ مصر سے واپس بریلی شریف پہنچے، سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تبارک وتعالی عنہ بنفس نفیس بریلی شریف ریلوے اسٹیشن پر آپ کو لینے کے لیے تشریف لے گئے تھے، اور بڑے ہی بے تابانہ انداز میں انتظار فرما رہے تھے، جیسے ہی ٹرین اسٹیشن پہنچی حضور تاج الشریعہ ٹرین سے اترے آپ نے بڑھ پر گلے سے لگا لیا، پیشانی چومی اور فرمایا کہ کچھ لوگ گئے تھے مگر بدل کر آئے مگر میرے بچے پر جامعہ کی تہذیب کا کچھ اثر نہیں ہوا ما شاء اللہ‘‘ (حوالہ سابق ۱۰۶)

قائم مقام سرکار مفتی اعظم ھند: تاج الشریعہ نے فتوی نویسی کا کام تو محض چودہ سال کی عمر ہی میں شروع کر دیا تھا، اب ازہر مصر سے واپسی کے بعد باقاعدہ اس خاندانی خصوصیت پر توجہ دی، اور سرکار مفتی اعظم ہند اور مفتی سید افضل حسین علیہما الرحمہ کی نگرانی میں یہ کام شروع کیا، جب فتاوی کا کام زیادہ ہوا تو دار الافتا آپ ہی کے سپرد کر دیا گیا، سرکار مفتی اعظم ہند نے موجودہ لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ’’آپ لوگ اب اختر میاں سلمہ سے رجوع کریں انہیں کو میرا قائم مقام اور جانشین جانیں‘‘۔ (تذکرہ تاج الشریعہ وتجلیات تاج الشریعہ)

فتوی نسبندی: ۱۹۷۶ء کا سال مسلمانون ہند کے لیے بڑی آزمائش کا سال تھا، کانگریس کی حکومت تھی اور ہندوستانی معیشت کو بہتر بنانے کے بہانے سے نسبندی کا حکم جاری ہوا، اس حکم پر اس سختی کے ساتھ عمل کرایا گیا کہ کئی علما سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیے گئے، اور ظلم وجبر کا بازار گرم کیا گیا، ایسے نازک دور میں سرکار مفتی اعظم ہند کے حکم پر حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے نسبندی کے رد میں ایک جامع فتوی قلمبند فرمایا، اور نسبندی کو حرام قرار دیا، اس فتوی پر جہاں سرکار مفتی اعظم ہند کا تصدیقی دستخط موجود ہے وہیں حضور محدث کبیر اور حضرت علامہ قاضی عبدالرحیم بستوی علیہ الرحمہ کا تائیدی دستخط بھی ہے۔ (تجلیات تاج الشریعہ/۳۴۵)

یہ ایسا ہی خاندان ہے، اس خاندان پر اقتدار کے نشے میں چور ظالم حکمرانوں کے کاغذی رعب کا اثر کبھی نہیں ہوا، جہاں بدمذہبوں کے دارالافتا چند فانی ٹھیکریوں کے عوض بک چکے تھے، اور حکومت کے ظلم کو عذر بنا کر شریعت مطہرہ کے حرام کو حلال بتانے میں کوئی کسر باقی نا رکھی تھی، وہیں سرکار مفتی اعظم کے پروردہ، حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی ذات تھی جس نے محض اپنے نبی کے دین کی حفاظت کی خاطر حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال حق کو حق اور باطل کو باطل کہا، اس موقعہ پر سرکار مفتی اعظم ہند کا ایک تاریخی جملہ یاد آتا ہے جو ہم نے اپنے گھر کے بزرگوں سے سن رکھا ہے آپ نے فرمایا تھا: ''شریعت نہیں بدلے گی بلکہ حکومت بدل جائے گی''۔ اور اہل ہند نے دیکھا کہ اس طوفان بدتمیزی کے محض چھ ماہ بعد حکومت بدل گئی۔ جومنہ سے نکلی وہ بات ہو کے رہی۔

یہ ایسی ذات ہے کہ جس کی بارگاہ میں لفظوں کے ذریعہ گلہائے عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک دفتر بھی نا کافی ہے، یہاں چند ایک چیزیں قارئین کے حوالہ کرتا ہوں، گر قبول افتد زہے عزوشرف۔

رسالہ ''تحقیق آزر'' کا پس منظر: پیرو مرشد سیدی سرکار تاج الشریعہ کی تصنیفات کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ کی تحریرات میں امام احمد رضا کے علمی فیضان کی جھلک صاف محسوس ہوتی ہے، آپ کی تصنیفات میں ''تحقیق آزر'' کا اپنا ہی ایک مقام ہے، پہلے حضور تاج شریعہ اور مولانا فہیم ثقلینی کے درمیان ہونے والے مکالمہ کو پڑھیں جو خود مولانا فہیم صاحب قبلہ نے تجلیات تاج الشریعہ کے صفحہ ۴۰۹ پر اپنے مضمون میں اس کا ذکر کیا ہے: ''کہ ابھی ۲۰۰۰ء کے بعد امام ابومنصور موہوب بن ابوطاہر احمد بن خضر المعروف ''امام جوالیقی'' لغوی بغدادی کی کتاب ''**معرب من الكلام الاعجمی علی حروف المعجم**'' پر نظر پڑی جس پر شیخ احمد شاکر کی تعلیق ہے، اس کی تعلیق میں شیخ شاکر نے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ''آزر'' ہے میں نے اس تعلیق کے رد میں اپنا رسالہ ''تحقیق ان ابا ابراهیم علیه السلام تارح لا آزر'' لکھا'' حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کا یہ رسالہ اصلا عربی میں ہے۔

شیخ شاکر مصر کے بڑے عالم اور کثیر التصانیف گذرے ہیں، ان کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو مصر میں ''امام اہل الحدیث فی عصرہ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، آگے بڑھنے سے قبل یہ یاد رکھیں کہ حضور تاج الشریعہ کا رسالہ ''تحقیق آزر'' کے معرض وجود میں آنے سے تقریبا پچاس سال پہلے شیخ احمد شاکر کا انتقال ہو چکا تھا، اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور تاج الشریعہ نے پچاس سال قبل انتقال کیے ہوئے مصنف کی تعلیق کا رد کیوں کیا، بہت ممکن ہے کہ شیخ شاکر کی کتاب لائبریری کی زینت بنادی جاتی، یہ بھی ممکن تھا کہ کوئی اسے دیکھتا بھی نہیں، نیز ایسے بہت سے مصنفین گذرے ہیں کہ جن کی غلط بیانی کا رد اگر انہیں کے زمانہ میں نہیں کیا گیا تو بعد میں صرف اس کتاب سے پرہیز کا حکم صادر کیا جاتا ہے اور بس، لیکن امام اہل سنت کے اس شیر کی نگاہ کچھ اور ہی دیکھ رہی تھی، یہاں بات صرف حضرت ابراہیم کے والد کے صحیح نام کی نہیں تھی کہ ان کا نام آزر تھا یا تارح، بلکہ نبی کریم ﷺ کے آبا و اجداد میں کم از کم ایک غیر مسلم اور غیر موحد کی شمولیت ہو رہی تھی، بہت ممکن تھا کہ شیخ شاکر کی اس تعلیق کا حوالہ دے کر عوام اہل سنت کے عقیدے اور ایمان سے کھلواڑ کیا جاتا کہ معاذ اللہ نبی کریم ﷺ کے والدین مومن نہیں تھے، حضور تاج الشریعہ نے اس دروازہ کو بند کر دیا، آخر امام اہل سنت کا خون رگوں میں دوڑ رہا تھا، امام اہل سنت نے بھی اس طرح سے کئی فتنوں کو دفن کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے ''تحقیق آزر'' کے ساتھ امام اہل سنت

رضی اللہ عنہ کا رسالہ ''شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام'' جو کہ اصلا اردو میں تھا اس کی تعریب فرمائی اور دونوں کو ایک ساتھ شائع کیا۔

ترجمہ نگاری: ترجمہ نگاری کو مستقل ایک فن کہا جا سکتا ہے، حضور تاج الشریعہ کی ترجمہ نگاری بھی بہت مشہور ہے، اس سلسلہ میں، دو کتابوں کا تذکرہ آپ کی سوانح حیات میں ملتا ہے، ایک'' المعتقد المنتقد مع المعتمد المستند'' اور دوسرا رسالہ ''الزلال الانقی من بحر سبقة الاتقی'' ترجمہ نگاری محض اس چیز کا نام نہیں کہ کسی عربی جملے کو اردو میں ترجمہ کر دیا جائے، یا اردو کو عربی میں منتقل کر دیا جائے، اگر یہی ترجمہ نگاری کا معیار ہے تو درس نظامی کے جماعت ثانیہ کا طالب علم بھی کر سکتا ہے، لیکن ترجمہ نگاری کے رموز و اسرار میں سے ہے کہ جس فن میں وہ کتاب ہو اس فن پر مترجم کو کتنا عبور حاصل ہے، یعنی ترجمہ کرتے وقت اصل تحریر کی جامعیت کے ساتھ فن کی اصل روح بھی باقی ہو، ورنہ ترجمہ تو ہو جائے گا مگر مقصد فوت ہو جانے کا قوی امکان ہے۔

یہ چند باتیں تھیں جو آپ کے سامنے حاضر کر دیں، اور جو کچھ بھی لکھا اس میں اپنی یادداشت کی بجائے علمائے ملت کی معلومات پر بھروسہ کرنا زیادہ مناسب سمجھا، اس لیے کہ حضور تاج الشریعہ کے اوصاف کو مختصر سی تحریر میں جمع کر پانا کم از کم میرے لیے بہت زیادہ مشکل تھا، ظاہر سی بات ہے جس ذات کے اوصاف و خصائص پر محض اس کی تاریخ وصال اور عرس چہلم کے درمیان تقریبا چالیس ہزار صفحات سے زائد لکھے گئے ہوں اس بحر بیکراں کی موجوں کو کیسے سمیٹا جا سکتا ہے۔ بس اتنا کہہ کر اپنے قلم روکتا ہوں کہ آپ کی ذات تصوف و سلوک، زہد و تزکیہ اور تقویٰ و پرہیزگاری کی جامع ہے، آپ کی فقہی بصیرت اور حدیث دانی پر امام احمد رضا کا رنگ غالب ہے، تو نعت گوئی میں استاذ زمن اور مفتی اعظم کی جھلک دکھائی دیتی ہے، حجۃ الاسلام اور مفسر اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہما کی ذات کا مظہر تھے آپ۔
آپ کا نورانی چہرہ مبلغ تھا، آج بھی وہ نورانی چہرہ اور اس پر مفسر اعظم کا رعب و دبدبہ، حجۃ الاسلام کی بے نیازی، سرکار مفتی اعظم ہند کی انکساری سب کچھ ذہن میں تازہ ہے۔ (ختم شد)

(بقیہ صفحہ ۲۳ کا) وارشاد، وعظ و خطاب، خود کے فتاوے تحریر کرنا (جو کہ ۴ رجلدوں میں منظر عام پر آئے اور وہ بھی پوری زندگی کے فتاوے نہیں، اگر تمام فتاوے مل جاتے تو مزید کئی جلدیں بن جاتیں) وغیرہ امور تو ابھی حیطۂ تحریر ہی میں نہ آئے اگر ان تمام کو شامل کرتے ہوئے سوچیں تو واقعۃً عقل حیران رہ جاتی ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت صدر الشریعہ کو کون سی توانائی بخشی تھی جو بغیر تھکے، مسلسل، بلا ناغہ اتنی محنت کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہ آپ کے وقت میں من جانب اللہ خوب برکت بھی تھی ورنہ اس قدر خدمات تن تنہا انجام دینا انسانی قدرت سے باہر نظر آتا ہے۔

﴿۱﴾ **امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ**
آپ موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاء سنایا کرتے ہیں، اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔ ﴿ضمیمہ الثورۃ الہندیہ ص ر ۳۳۶﴾

﴿۲﴾ **مولانا حبیب الرحمن شیروانی:**
''مولانا امجد علی اعظمی صاحب پورے ملک میں ان چار پانچ مدرسین میں ایک ہیں، جنہیں میں منتخب جانتا ہوں'' ﴿سابق ص ر ۳۳۷﴾

﴿۳﴾ **سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ:**
''استاذ گرامی حضرت علامہ ہدایت اللہ رامپوری قدس سرہ یوں تو تمام طلبہ پر عنایت فرمایا کرتے تھے، لیکن تین اشخاص مولانا محمد صدیق (حضور صدر الشریعہ کے بڑے بھائی) مولانا محمد امجد علی اور سلیمان اشرف پر خاص الخاص نظر کرم تھی، چاہتے تھے کہ جو کچھ میرے سینے میں ہے نکال کر ان سب کو بخش دوں'' ﴿حیات و خدمات ص ر ۴۶﴾

﴿۴﴾ **حافظ ملت علیہ الرحمہ** نے جنازہ کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا:
''لوگوں میں اعلان کر دو کہ جسے ایک عاشق پاکباز، ایک حق پرست مرد مومن اور ایک زندہ جاوید فقیہ اسلام کا چہرہ دیکھنا ہو وہ یہاں آکر دیکھ لے'' ﴿حیات و خدمات ص ر ۴۷﴾

تاج الشریعہ کی نعتیہ شاعری میں امام احمد رضا کا اسلوب بیان

تحریر: مولانا نواز احمد اعظمی صاحب ﴿گھوسی﴾

''ورفعنا لک ذکرک'' کی صدائے دل نواز جب کائنات میں گونجی تو شمع رسالت کے پروانوں نے اپنے عشق ووارفتگی کا مدعا پالیا، زخم دل کو مندمل کرنے کے لیے مرہم زرنگار مل گیا، بے قرار روحوں کی تسکین کا سامان فراہم ہوا، پھر کیا تھا رحمت عالم ﷺ کے شیدائیوں کی جانب سے عقیدت ومحبت کا اظہار فروغ پانے لگا، ہر زبان سے آشنا افراد نے اپنی اپنی زبانوں میں بندش الفاظ کے سہارے نعت ورسالت ماب ﷺ کے ایسے گلشن سجائے کہ جن کی سدابہار خوشبوؤں سے آج تک عشاقان رسالت مآب ﷺ کے مشام جاں معطر ہو رہے ہیں۔ انہیں سعادت مند مدحت نگاروں میں عالم اسلام کی عبقری شخصیت تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات بھی ہے۔

حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کو فیاض ازل نے گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا، بہت سارے علوم وفنون پر کامل دسترس حاصل تھی، جہاں ایک طرف فقہ، حدیث، کلام، منطق وفلسفہ، فصاحت وبلاغت اور ادب وغیرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے، تو وہیں دوسری جانب آپ کو شعر گوئی کا ملکہ بھی قدرت کی جانب سے تفویض ہوا تھا۔ آپ کو شعر فہمی، نعت گوئی، اور ادبی ذوق خاندان کے صاحبان فضل وکمال خصوصا اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ سے وراثت میں عطا ہوا تھا، آپ کی شاعری میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری کی وارفتگی وشیفتگی کا عنصر، استاذ زمن کے تغزل کا بانکپن، علامہ حامد رضا خان کے عشق کی بالیدگی، حضور مفتی اعظم ہند کی بلند خیالی اور وفور شوق کی جھلک مصرع درمصرع آشکارا ہوتی ہے۔

حضور تاج الشریعہ کی نعتیہ شاعری کی خاصیت اور خوبی یہ ہے کہ کوئی بھی شعر پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ بہ تکلف نہیں لکھا گیا ہے، بلکہ ہر نعت سراسر عطا ہے، جو انہیں بارگاہ قاسم نعمت ﷺ سے عطا ہوئی ہے۔

آپ کے کلام میں فنی پختگی، عشق ووفور کی ترنگ، وارفتگی وخودسپردگی کی کیفیات، ندرت خیال کی دل کشی، تشنگی وشیفگی کی جھلک، سوز وگداز کی حدت، داخلی کیفیات کا اظہار، موسیقیت وغنائیت کی مٹھاس، صنائع وبدائع کی چاشنی اور پرکاری ونادرہ کاری کے جلوے جابجا نظر آتے ہیں۔

اور آپ کے نعتیہ کلام کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ اس میں اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے رنگ وآہنگ اور اسلوب نگارش کی جھلک صاف طور پر نظر آتی ہے، یہ بات جوش عقیدت پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس کے شواہد بھی پیش کیے جارہے ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ حضور اعلی حضرت قدس سرہ کے اس فن کے اعتبار سے بھی سچے وارث وامین ہیں۔

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے کئی نعت پاک حضور اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کی زمین میں کہی ہوئی ہیں۔

زمین کی تعریف: شاعری کی اصطلاح میں کسی غزل یا نظم وغیرہ کے بحر، ردیف اور قافیہ کی پابندی کرنے کو زمین کہتے ہیں۔

کسی بھی شاعر کی زمین میں کلام کہنا کوئی بڑی بات نہیں ہے، لیکن اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کی زمین میں نعت کہنا مشکل ترین امر ہے، حالانکہ مجھ سمیت بہت سے نعت گو شعرا نے اعلی حضرت کی زمین میں نعوت لکھی ہوئی ہیں، مگر صرف کسی شاعر کی زمین میں لکھ لینا کمال نہیں ہے بلکہ اس شاعر کے اسلوب کو اپنا کر، یا اس کے قریب تر اسلوب اختیار کر کے اسی رنگ آہنگ میں کلام کہنا کمال ہے۔ اور جب شاعر امام نعت

گویاں ہو، تو پھر یہ اور بھی دشوار ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود جب ہم اعلیٰ حضرت کی زمینوں میں حضور تاج الشریعہ کی لکھی ہوئی نعوت دیکھتے ہیں تو آنکھیں خیرہ رہ جاتی ہیں اور عقل دنگ ہو جاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت کے اسلوب کو برقرار رکھتے ہوئے انہیں کے رنگ و آہنگ میں حضور تاج الشریعہ کے اشعار رنگے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ آپ کی قادرالکلامی کی روشن دلیل ہے، میں اپنے اس دعوی کی دلیل کے طور پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے زمین میں لکھے ہوئے حضور تاج الشریعہ کے کلام کی مثالیں پیش کرتا ہوں، آپ بھی پڑھیں اور محظوظ ہوں۔

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا	نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا	(حدائق بخشش ص ۳۷)

اعلیٰ حضرت کے اس کلام کی زمین میں ایک مصرع (شہ کوثر ترحم تشنہ جاتا ہے زیارت کا) کو طرح بنا کر تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے مکمل نعت پاک تحریر فرمائی، جو پڑھے سے تعلق رکھتی ہے، طوالت کے خوف سے صرف مطلع اور گرہ کا شعر پیش ہے۔

لب کوثر ہے میلا تشنہ کامان محبت کا	وہ ابلا دست ساقی سے وہ ابلا چشمہ شربت کا	
پلادے اپنی نظروں سے چھلکتا جام رویت کا	شہ کوثر ترحم تشنہ جاتا ہے زیارت کا	(سفینۂ بخشش ص ۶۶)

دوسری مثال:

تمہارے ذرے کے پرتو ستارہائے فلک	تمہارے نعل کی ناقص مثل ضیائے فلک	(حدائق بخشش ۳۷)

حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی اس نعت مبارکہ کی زمین میں بھی تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے مطلع کے مصرعہ اول ”تمہارے ذرے کے پرتو ستارہائے فلک“ کو طرح بنا کر مکمل نعت کہی، مطلع مع گرہ پیش ہے۔

جھکے نہ بار صداحساں سے کیوں بنائے فلک	تمہارے ذرے کے پرتو ستارہائے فلک	(سفینۂ بخشش ص ۷۶)

مذکورہ زمین کس قدر سنگلاخ ہے یہ کسی بھی اہل ادب پر مخفی نہیں ہے مگر حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے بڑی سہولت کے ساتھ اس میں کاشت کاری کی ہے اور رنگا رنگ گل بوٹے کھلائے ہیں۔

تیسری مثال:

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں	عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں

اعلیٰ حضرت کے اس مشہور و معروف کلام کی زمین میں بھی تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے طبع آزمائی فرمائی ہے مطلع پیش ہے۔

عرش پر ہیں ان کی ہر سو جلوہ گستر ایڑیاں	گہہ بہ شکل بدر ہیں گہہ مہر انور ایڑیاں	(سفینۂ بخشش ص ۹۰)

چوتھی مثال:

دشمن احمد پہ شدت کیجیے	ملحدوں کی کیا مروت کیجیے	(حدائق بخشش ص ۱۹۹)

اعلیٰ حضرت کے اس کلام کی زمین میں بھی دو مصرعوں پر گرہ لگاتے ہوئے تاج الشریعہ نے مکمل نعت پاک تحریر فرمائی ہے، مطلع اور گرہ کے اشعار پیش ہیں۔

اپنے رندوں کی ضیافت کیجیے	جام نظارہ عنایت کیجیے	
تیز کیجیے سینہ نجدی کی آگ	”ذکر آیات ولادت کیجیے“	
انتظار جان جاں ہے جان کو	”یارسول اللہ کی کثرت کیجیے“	(سفینۂ بخشش ص ۱۲۶)

جب ان کلام کا مکمل جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت کی زمین نہ صرف یہ کہ نعت مبارکہ

لکھی بلکہ ساتھ ساتھ ان نعوت میں اعلی حضرت کے رنگ سخن کی چھاپ اور اسلوب کی جھلک کے جلوے بھی نظر کو جلا بخشیں گے۔

ان کے علاوہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ اور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے چند اشعار جن میں ایک دوسرے سے معنوی مماثلت پائی جاتی ہے نذر قارئین ہیں۔

	امام احمد رضا فاضل بریلوی		حضور تاج الشریعہ علامہ اختر
﴿۱﴾	جو دین کووں کو دے بیٹھے ان کو یکساں ہے	﴿۱﴾	جو جنون خلد میں کووں کو دے بیٹھے دھرم
	کلاغ لے کے چلے یا الاغ لے کے چلے		ایسے اندھے شیخ جی کی پیروی اچھی نہیں
﴿۲﴾	یاد میں جس کی نہیں ہوش تن وجاں ہم کو	﴿۲﴾	یاد جاناں میں معاذ اللہ ہستی کی خبر؟
	پھر دکھا دے وہ رخ مہر فروزاں ہم کو		یاد جاناں میں کسی سے آگہی اچھی نہیں
﴿۳﴾	میں تو کہا ہی چاہوں بندہ ہوں شاہ کا	﴿۳﴾	یوں تو کہلاتا ہوں بندہ میں تمہارا لیکن
	پر لطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ جناب ہوں		اپنا کہہ کر جو بلاو تو بہت اچھا ہو
﴿۴﴾	اے رضا جان عنادل تیرے نغموں کے نثار	﴿۴﴾	میں تو ہوں بلبل بستان مدینہ اختر
	بلبل باغ مدینہ تیرا کہنا کیا ہے		حوصلے مجھ کو نہیں قافیہ آرائی کے
﴿۵﴾	رضا نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا	﴿۵﴾	فریب نفس میں ہمدم نہ آنا
	کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے		بچے رہنا یہ مار آستیں ہے
﴿۶﴾	کھائی قرآن نے خاک گذر کی قسم	﴿۶﴾	خدا نے یاد فرمائی قسم خاک کف پا کی
	اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام		ہوا معلوم طیبہ کی دوعالم پر فضیلت ہے
﴿۷﴾	ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے	﴿۷﴾	ہیں غنی کے در پہ ہم بستر جمائے خیر سے
	اب تو غنی کے در پر بستر جما دیے ہیں		خیر کے طالب کہاں جائیں گے جائے خیر سے
﴿۸﴾	وہ جو نہ تھے تو کچھ نا تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو	﴿۸﴾	تم جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، تم جو نہ ہو تو کچھ نہ ہو
	جان ہیں وہ جہاں کی، جان ہے تو جہان ہے		جان جہاں تم ہی تو ہو، جان جناں تم ہی تو ہو
﴿۹﴾	بزم آخر کا شمع فروزاں ہوا	﴿۹﴾	حسن اول کی نمود اولیں
	نور اول کا جلوہ ہمارا نبی		بزم آخر کا اجالا آپ ہیں
﴿۱۰﴾	وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا	﴿۱۰﴾	جو مستغنی ہوا ان سے مقدر اس کا خبیث ہے
	ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی		خلیل اللہ کو ہنگامہ محشر ان کی حاجت ہے

﴿۱۱﴾	رضا پل سے اب وجد کرتے گذریے	
	کہ ہے رب سلم صدائے محمد ﷺ	(امام احمد رضا)

﴿۱۱﴾	رب سلم وہ فرمانے والے ملے، کیوں ستاتے ہیں اے دل تجھے وسوسے	
	پل سے گذریں گے ہم وجد کرتے ہوئے، کون کہتا ہے پاوں پھسل جائے گا	(تاج الشریعہ)

مذکورہ تمام اشعار حضور اعلی حضرت کے اشعار سے معنوی مماثلت رکھتے ہے، ان کے علاوہ تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے مجموعہ کلام سفینہ

بخشش کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جو ڈکشن اور لفظیات اعلی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے اشعار میں ہے وہی تاج الشریعہ کے اشعار میں بھی جا بجا نظر آتی ہے۔ اور جس طرح اعلی حضرت رضی اللہ عنہ نے قرآن واحادیث سے مضامین کشید کر نعت کے پیرائے میں ڈھالا ہے اس کی پیروی حضور تاج الشریعہ کے بھی کی ہے۔

مسلمانان ہند اور حفاظتی تدابیر

مولانا **طارق انور مصباحی**، مدیر: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

بھارت میں انگریزوں نے ہندو مسلم اختلاف کی بنیاد ڈالی، 1947 میں انگریز چلے گئے، لیکن اختلاف مستحکم ہوتا گیا۔ بھارتی مسلمان اپنی جان، مال، عزت وعصمت کی حفاظت کے واسطے مول نواسی اقوام (بھارت کے اصل باشندگان) کی سماجی وسیاسی تحریکوں سے سیاسی اتحاد کرلیں۔ یہ اتحاد سیاسی امور تک ہی محدود رہے۔ اس اتحاد کا مذہبی امور سے کچھ بھی تعلق نہ ہو، نہ ہی مخلوط مجلس میں مذہبی امور انجام دیئے جائیں۔ عبادت کے ساتھ حکمت عملی بھی اختیار کریں۔ بوقت ضرورت دیگر اہل مذاہب سے بقدر ضرورت سیاسی اتحاد کی اجازت ہے۔

ارشاد ربانی ہے: **{لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ}** (سورہ آل عمران: آیت 28)

توضیح: آیت منقوشہ بالا میں "اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً" سے یہ پیغام دیا گیا ہے کہ اگر غیر مسلمین سے جان ومال، عزت وآبرو کا خوف ہو تو بقدر ضرورت ان سے ربط وتعلق کی اجازت ہے۔ علما وفقہا اس بارے میں اپنی رائے پیش فرمائیں۔ یہ بات جگ ظاہر ہے کہ بھارتی مسلمانوں کو بھارت کی غیر مسلم اقوام سے 1857 میں سلطنت مغلیہ کے خاتمے کے بعد سے ہی اپنی جان ومال اور عزت وعصمت کا خطرہ رہا ہے۔ اب اگر کوئی ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہمیں اپنے مذہبی تشخص کے تحفظ کے ساتھ اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہئے۔

حکمت وتدبیر سے منہ موڑنا بھارتی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ= شخصی مفاد کی بجائے قومی مفادات کا لحاظ کیا جائے!!!

وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ (سورہ شوری: آیت 30)

ترجمہ: اور تمہیں جو مصیبت پہنچی، وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرمادیتا ہے۔ (کنز الایمان)

منقوشہ بالا آیت مقدسہ میں خاص کر عبادت کا بیان نہیں کہ محض ترک عبادت کے سبب مصیبتیں آتی ہیں۔ ترک عبادت، معصیت، ترک حکمت اور کبھی بطور آزمائش بھی مصیبت آتی ہے۔ متعدد وجوہات کے سبب مصیبتیں آنے کا ذکر قرآن مجید واحادیث مقدسہ میں ہے۔

(1) **ترک عبادت:** دخول بیت المقدس کے وقت ترک سجدہ وترک توبہ کے سبب یہودیوں پر مصیبت آئی۔ اس کا ذکر سورہ بقرہ (آیت: 58-59) میں ہے۔ ان پر عذاب طاعون آیا، اور ایک ساعت میں چوبیس ہزار ہلاک ہوگئے۔

(2) **معصیت:** (شہر ایلہ کے ستر ہزار) یہودی سنیچر کے دن مچھلیوں کے شکار کے سبب بندر بنا دیئے گئے۔ اس دن شکار کی ممانعت تھی۔ اس کا ذکر سورہ بقرہ (آیت 65-66) میں ہے۔ یہ لوگ سنیچر کے دن دریا کے کنارے گڈھوں میں مچھلیاں جمع کرتے اور اتوار کو نکال لیتے۔

(3) **ترک حکمت:** غزوۂ احد میں مسلمانوں پر مصیبت آئی، اور جیتی ہوئی جنگ ہاتھ سے نکل گئی۔ یقیناً صحابہ کرام عبادت گزار تھے، لیکن ترک حکمت کے سبب اس مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا۔ اس کا ذکر سورہ آل عمران (آیت: 152-155-165-166) میں ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پچاس تیرانداز صحابہ کرام کو درہ میں بٹھایا تھا،لیکن اپنی فتح دیکھ کر چند کے علاوہ دیگر تمام تیرانداز بلا اجازت وہاں سے چلے آئے، پھر مشرکین مکہ اسی درہ سے داخل ہوکر عقب سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوگئے،اور سامنے سے لشکر کفار کا دوسرا حصہ حملہ کردیا۔اب دونوں جانب سے مسلمانوں پر حملے ہونے لگے۔ترک حکمت کے سبب اپنی فتح کے بعد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

(4) آزمائش: مختلف قسم کی جانی ومالی مصیبت آزمائش کے طور پر آتی ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَىْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ

(سورہ بقرہ: آیت 155)

ترجمہ: اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے،اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے،اور خوش خبری سنا ان صبر والوں کو۔(کنزالایمان)

تدابیر: جب ترک عبادت کے سبب مصیبت آئے تو عبادت کی جائے۔معصیت کے سبب مصیبت آئے تو طاعت اختیار کی جائے۔ترک حکمت کے سبب مصیبت آئے تو حکمت وتدبیر اختیار کی جائے۔آزمائش کے طور پر مصیبت آئے تو صبر اختیار کیا جائے۔

تقدیر الٰہی کا عذر کر کے تدبیر سے منہ موڑ لینا عجب بات ہے۔اولاً ہمیں معلوم ہی نہیں کہ تقدیر میں کیا لکھا ہے۔دوسری بات یہ کہ تقدیر کی بھی تین قسمیں ہیں: (1) قضائے مبرم (2) قضائے شبہ مبرم (3) قضائے معلق۔قضائے مبرم میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔قضائے شبہ مبرم اکابر اولیائے کرام کی دعاؤں سے بدل جاتی ہے اور قضائے معلق بندوں کے اچھے برے اعمال کے سبب،اولیائے کرام کی دعا ودیگر امور کی بنا پر بدل جاتی ہے، پھر تقدیر کے تمام حصے کو قضائے مبرم سمجھ لینا بالکل غلط ہے۔

بام سیف وبھیم آرمی: مول نواسی اقوام کی تحریکیں:

بھاجپا نے پارلیامنٹ سے لے کر شہر شہر اور نگر نگر میں ڈھنڈورا پیٹا کہ بھارت کے پڑوسی تین مسلم ممالک میں وہاں کی اقلیتوں،یعنی ہندو، جین، بدھسٹ، سکھ،عیسائی اور پارسی اقوام پر دھرم کی بنیاد پر بے حساب ظلم وستم ہوتا ہے،اس لیے ان کو بھارت میں پناہ دی جائے اور یہی مقصد بتا کر سی اے اے (CAA) لایا گیا۔بھاجپائیوں کو یقین کامل تھا کہ یہ قانون منظر عام پر آتے ہی مذکورہ چھ مذاہب کے لوگ بھارت کے مسلمانوں کا کشت وخون کرنا شروع کردیں گے، پھر این آر سی کے نام پر مسلمانوں کو ڈٹنشن کیمپ میں ڈالنا بہت آسان ہوگا،لیکن نتیجہ برعکس آیا۔برہمن وادیوں کو چھوڑ کر بھارت کے تمام لوگ ملک اور بیرون ملک متحد ہونے لگے۔ساری دنیا میں بھاجپا کی مخالفت ہونے لگی۔

منووادیوں کی سازش ناکام کیوں ہوئی ؟ اکثریت کے ساتھ جیت پانے والی بھاجپا چاروں شانے چت کیوں ہوگئی؟ ساری دنیا میں بھاجپا حکومت کو تنقیدوں کا سامنا کیوں کرنا پڑا؟ پولس کے ذریعہ ظلم وبربریت مچانے اور دو درجن سے زائد مظاہرین کو ہلاک کرنے، ہزاروں مظاہرین پر مقدمات درج کرنے،ان پر فائن لگانے،جیل میں ڈالنے، راسوکا(NSA) اور دفعہ:144 کے نفاذ، گودی میڈیا کی سرتوڑ کوشش وکاوش،حکومت کے ایک ہزار اجلاس اور سی اے اے کی تائید میں جلوسوں کے باوجود بھاجپا ناکام کیوں نظر آرہی ہے؟

اس مشکل سوال کا جواب یہ ہے کہ بھارت کی متعدد مول نواسی تنظیمیں کئی سالوں سے عام پبلک کو بتا رہی ہیں کہ بھارت کے مسلمان دراصل مول نواسی ہیں جو برہمنوں کے ظلم وستم اور ذات پات سسٹم کے سبب مذہب اسلام میں داخل ہوگئے تھے۔ہندو مسلم فسادات میں مول نواسی اقوام (شودر اقوام) کو استعمال کیا جاتا تھا اور برہمن صرف کمانڈر رہتا تھا۔جب سپاہی وفوجی بھاگ گئے تو فساد بند ہوگیا۔اسی طرح ملک کے ہر شعبہ میں اور ساری دنیا میں غیر برہمن بھارتیوں نے منووادیوں کی مخالفت کی،نتیجہ یہ نکلا کہ بھاجپا کو ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ مول نواسی تحریکوں سے تعلق پیدا کریں،تاکہ فسادات پر کنٹرول ہو۔اب تمام مظلوم اقوام کو جمع ہوجانا چاہئے۔آرین قوم نے تمام غیر آرین اقوام پر ظلم وستم ڈھایا ہے۔آرین قوم 1500 ق م بھارت آئی، رفتہ رفتہ آریوں نے یہاں کی حکومتوں پر قبضہ کرلیا

اور بھارت کے مول نواسیوں کو شودر قرار دے کر ان پر بے حساب ظلم وستم ڈھایا۔ اس طرح قریباً تین ہزار سال تک مول نواسیوں پر ظلم ہوتا رہا۔

بھارت کے مول نواسیوں میں بیداری لانے کے واسطے جیوتی با پھولے (1827-1890)، ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر (1891-1956) اور ای وی راما سامی پیریار (1879-1973) نے بہت کام کیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے ملک گیر سطح پر کام کیا۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی موت کے بعد ملکی سطح پر یہ کام نہ ہوسکا۔ ایک مدت بعد ڈاکٹر امبیڈکر کی تاریخ موت 6: دسمبر 1978 کو دہلی میں کانشی رام اور اس کے ساتھیوں نے بام سیف کی بنیاد رکھی۔ ابھی اس تنظیم کی صدارت وامن میشرام کے پاس ہے۔

وامن میشرام کی تقریروں نے مول نواسی اقوام میں انقلاب برپا کردیا ہے۔ بام سیف کے اسٹیج سے ہمیشہ یہ کہا جاتا ہے کہ بھارت کے مسلمان بھی مول نواسی ہیں۔ یہ لوگ برہمنی مظالم کے سبب دامن اسلام سے وابستہ ہوگئے۔ اب مول نواسی اقوام بھی تعلیم یافتہ ہوچکی ہیں اور شودروں پر برہمنوں کے تین ہزار سالہ ظلم وستم سے واقف ہوچکی ہیں، اسی لیے برہمنوں کے بہکانے پر مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ہوتے۔

جب بھارت کی ساری شودر اقوام تعلیم یافتہ ہوجائیں گی تو ان شاء اللہ تعالیٰ برہمنوں کا ظلم وجبر ختم ہوجائے گا، اسی لیے برہمن پوری کوشش میں ہے کہ وہ وقت آنے سے پہلے بھارت کو ''برہمن راشٹر'' بنادیا جائے۔

چوں کہ بام سیف (BAMCEF) ایک منظم اور ملک گیر تحریک ہے، اس لیے اس میں مسلمانوں کی شمولیت فائدہ بخش ہوگی۔ بام سیف کے ارکان وذمہ داران مسلم، سکھ، عیسائی، بدھشٹ، جینی وغیرہ کے رابطے میں رہتے ہیں۔ تحریک کا اصل مقصد ایس ٹی (ST)، ایس سی (SC)، او بی سی (OBC) اور اقلیتوں (MC) کے حقوق کا تحفظ ہے۔ چوں کہ اس تحریک کے پاس بہت سے وسائل ہیں اور بھیم آرمی کے پاس نوجوانوں کی قوت ہے، اس لیے مسلمانوں کو ان دونوں تحریکوں سے منسلک ہوجانا چاہئے۔ یہ لوگ خود کو ہندو بھی نہیں مانتے اور نہ ہی اجتماعی پروگرام میں کسی قسم کا مذہبی کام کرتے ہیں، اس لیے ہماری مذہبی شناخت متاثر نہیں ہوگی۔ بام سیف کا فل فارم یہ ہے۔

The All India Backward {SC,ST,OBC} And Minority Communities Employees Fedration

بام سیف سرکاری ملازمین کی تنظیم ہے۔ اس نے آندولن اور مظاہروں کے لیے ''بہوجن کرانتی مورچہ'' اور ایک سیاسی پارٹی ''بھارت مکتی مورچہ'' بنایا ہے۔ بھیم آرمی ایک سماجی تنظیم ہے۔ مذہبی تشخص کے تحفظ کے ساتھ ہمیں ان تحریکوں میں شامل ہوجانا چاہئے۔

پارلیامنٹ میں سی اے بی (CAB) (شہریت ترمیمی بل) کو پیش کرنے کے وقت امیت شاہ نے پاکستان، بنگلہ دیش وافغانستان میں غیر مسلموں پر مسلمانوں کے فرضی مظالم کا چرچا کرکے بھارت کی تمام غیر مسلم اقوام کو مسلمانوں کے خلاف اکٹھا کرنے کی کوشش کی، لیکن سخت ناکامی ہوئی۔ اب مول نواسی اقوام میں تعلیم آچکی ہے، اور بام سیف (BAMCEF) کی طویل بیداری مہم اور چندر شیکھر آزاد کے جامع مسجد کے خطاب نے بھاجپا کی نیند اڑادی تھی، یہاں تک کہ ملک کے وزیر اعظم مودی نے پریشان ہوکر رام لیلا میدان میں کہا کہ اربن نکسل مسلمانوں کے ساتھ کیوں ہیں؟ ہم تو دلتوں کی بھلائی کے لیے شہریت ترمیمی بل لائے ہیں۔

بھارت کے مظلوموں کا اتحاد: شرائط وطریق کار:

''ہم بھارت کے لوگ'' ملک کی جمہوریت کی بقا، دستور ہند کی حفاظت اور تمام مظلوم اقوام ظالموں سے دفاع کے واسطے اتحاد قائم کریں۔ بھارت میں مسلمان بھی مظلوم ہیں اور بھارت کی مول نواسی اقوام بھی مظلوم ہیں۔ تمام مظلوم اقوام سیاسی محاذ پر متحد ہوجائیں۔

مظلوموں کا اتحاد بھارتی دستور اور جمہوریت کے تحفظ کی خاطر ہوگا، پھر یہی دستور ہمارے وجود اور تشخص کو تحفظ فراہم کرے گا۔

یہ اتحاد سیاسی ودستوری امور تک محدود ہوگا۔ سیکولر ممالک میں سیاسی امور اور مذہبی امور دونوں الگ ہوتے ہیں۔

سیکولر جمہوری نظام میں انسانیت کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں۔ اس اتحاد سے مذہب کو الگ رکھا جاتا ہے۔

بھارت کثیر المذاہب ملک ہے۔ ہر قوم اپنے مذہبی امور کو اپنی عبادت گاہوں یعنی مسجد، مندر، گردوارہ، مٹھ، چرچ وکلیسا وغیرہ میں ادا

کریں۔متحدہ سیاسی مجلس میں مذہبی امور کو انجام دینا ہماری ناکامی کا سبب ہوگا، کیوں کہ ہر ایک مذہب کے رسوم وعادات الگ الگ ہیں، اس لیے سب لوگ کسی ایک دھرم کے رسوم وعبادات کو اختیار نہیں کر سکتے، اس طرح ایک متحدہ پلیٹ فارم میں اختلاف کی شکل پیدا ہوگی۔

اگر تمام لوگ کسی ایک مذہب کے مذہبی رسم ورواج کو اپناتے ہیں تو اس متحدہ مجلس میں ہم دستور کی حفاظت نہیں کر سکیں گے، بلکہ بھارتی دستور کا گلا گھونٹ دیں گے، کیوں کہ دستور نے ہر ایک بھارتی کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی دی ہے، پھر تحفظ دستور کی مجلس میں کسی سے اس کی مذہبی آزادی چھین کر دوسرے دھرم کی کسی رسم وعادت کا پابند بنانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

اسی طرح بھارت کثیر ثقافتی اور مختلف تہذیب وتمدن کا ملک ہے۔یہاں کسی ایک کلچر اور ثقافت کو بالادستی حاصل نہیں اور اسی رنگ برنگی تہذیب کو گنگا جمنی تہذیب کہا جاتا ہے۔بھارت میں کثرت میں وحدت کا تصور اپنایا گیا ہے، یعنی مذہب اور کلچر کی بنیاد پر کثرت ہے، اور انسانیت کی بنیاد پر سب متحد ومتفق ہیں۔اسی نظریہ ''وحدت در کثرت''(Unity in diversity) کی بنیاد پر بھارت میں کامن سول کوڈ (Common Civil Code) کو قبول نہیں کیا جاتا، حالاں کہ آر ایس ایس نے ہندو کلچر کے نفاذ کی بہت کوشش کی۔

الٰہ آباد میں گنگا اور جمنا کا سنگم ہے۔سنگم کے پاس دونوں دریاؤں کا پانی اپنے رنگ وصفت کے ساتھ موجود ہے۔دونوں کا پانی متصل ہے اور ہر ایک اپنے تشخص کے ساتھ موجود ہے۔دونوں پانی کا فرق بالکل واضح ہے۔اسی طرح بھارت کی تمام اقوام مل جل کر رہیں، لیکن اپنے تشخص کو برقرار رکھیں۔اسی کا نام گنگا جمنی تہذیب ہے۔ایک دوسرے کے رسوم ورواج اور عبادات کو اپنانا گنگا جمنی تہذیب کی مخالفت اور وحدت ادیان ہے۔وحدت ادیان کا تصور بھکتی مذہب نے پیش کیا تھا۔بھکتی مذہب سے متاثر ہو کر اکبر بادشاہ نے دین الٰہی ایجاد کیا تھا۔

بھکتی دھرم کا اصول یہ ہے کہ ہر مذہب والا دوسرے مذہب والوں کے طور طریقے کو اختیار کر کے اتحاد کا اظہار کرے، مثلاً ہندو قوم عید وبقرعید میں شرکت کرے اور مسلم قوم ہولی ودیوالی کھیلے۔ایسا اتحاد ناجائز وحرام ہے، لہٰذا بھکتی مذہب کے اصول کے مطابق اتحاد نہیں ہوسکتا۔

گنگا جمنی تہذیب کا اصول یہ ہے کہ ہر مذہب والے اپنے مذہب اور اپنی تہذیب ومعاشرت پر قائم رہیں اور مل جل کر رہیں۔گنگا جمنی تہذیب کے اصولوں کے مطابق محض سیاسی امور میں مول نواسی اقوام کے ساتھ ہمارا اتحاد ہوگا۔مذہبی امور اور کلچر میں اتحاد نہیں ہوگا۔

اتحاد صرف سیاسی امور تک محدود رہے، اور سب مل جل کر دستور ہند (Constitution of India) کی حفاظت کریں۔

اگر ہم نے دیگر مذاہب کی عبادت یا مذہبی علامت کو اپنایا تو یہ اہل مذاہب کا اتحاد نہیں، بلکہ ایک نئے مذہب کا آغاز ہوگا۔

''مول نواسی اقوام کی تحریکیں/ بام سیف، بہوجن کرانتی مورچہ، بھیم آرمی وغیرہ کے ساتھ مذکورہ شرائط کے مطابق اتحاد کیا جائے۔''

ظلم سہنا ظالم کی مدد کرنا ہے!!!

دہلی فساد: فروری 2020 کے متاثرین کے دکھ درد میں ہم برابر کے شریک ہیں۔یہ فساد نہیں، بلکہ ایک منصوبہ بند نسل کشی تھی۔

دہلی فساد نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ فساد کے لیے تربیت یافتہ لوگوں کو میدان میں اتارا جاتا ہے، جو لوگ جدید ہتھیار یعنی بندوق، پستول اور بم استعمال کرنا جانتے ہوں۔اس سے قبل کے فسادات میں روایتی ہتھیار یعنی تلوار، چاقو، نیزہ، بھالا وغیرہ استعمال ہوتے تھے۔

دہلی فساد میں اکثر لوگوں کے سروں میں گولیاں ماری گئیں۔اس کے بعد بعض کو جلتی آگ میں ڈال دیا گیا اور اکثر لوگوں کو گولی مار کر سخت زدوکوب کیا گیا، جس سے ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔بہت سے لوگوں کے جسموں میں لوہے کے راڈ گھونپ دیئے گئے۔یہ بیان علاج کرنے والے دہلی کے ڈاکٹروں کا ہے۔یہ بھی خبر ہے کہ بہت سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا اغوا بھی کیا گیا ہے۔آج تک کسی فساد میں ایسا نہیں ہوا تھا۔فساد کے مواقع پر پولیس کا کردار جگ ظاہر ہے۔پولیس محکمہ کبھی محل واردات سے غائب رہتا ہے، کبھی خاموش رہتا ہے، کبھی طرفداری میں مبتلا نظر آتا ہے۔ایسی صورت میں لازم ہے کہ بھارتیوں کو ذاتی دفاع (Self Defence) کی تفصیل بتائی جائے۔ہر جمہوری نظام میں پبلک کو پرائیویٹ دفاع کا حق ہوتا ہے۔حملہ کرنا (Attack) جرم ہے۔ڈیفنس کرنا (Defence) ہر شہری کا حق ہے۔

انڈین پینل کوڈ (IPC) کے سیکشن 96 سے 106 تک ذاتی دفاع کا حق (Right to private defence) بیان کیا گیا ہے۔ ہر ضلع میں پبلک کو ماہر وکیلوں کی نگرانی میں پرائیویٹ ڈیفنس کے قوانین بتائے جائیں اور ذاتی دفاع کی تربیت دی جائے۔ جب فسادیوں کو معلوم ہو جائے گا کہ لوگ سلف ڈیفنس کے قابل ہو چکے ہیں اور قتل وغارت گری کے وقت خود ان کی جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ فسادیوں کی ہمت ٹوٹ جائے گی۔ اگر لوگ خاموش رہتے ہیں تو بھارت ہمیشہ فرقہ وارانہ فسادات کی آگ میں جلتا رہے گا۔

فساد کے متاثرین کی مدد بھی ضروری ہے اور اہل ملک کو پرائیویٹ ڈیفنس کی تربیت بھی ضروری ہے۔ صرف ملکی قانون کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں، اس لیے تربیت کا کام ماہر وکیلوں کی نگرانی میں ہونا چاہیے۔ بہتر ہوگا کہ اس بارے میں سپریم کورٹ سے بھی رہنمائی حاصل کر لی جائے۔ دہلی کی ریاستی حکومت نے فساد کے متاثرین کے لیے معاوضہ اور امداد جاری کیا ہے۔ یہ خوش آئند قدم ہے۔ بہت سے مسلمان جھوٹے مقدمات میں پھنسائے گئے ہیں۔ ان کی قانونی مدد کی جائے۔ خیال رہے کہ ظلم سہنا ظالم کی مدد کرنا ہے، اس لیے ظلم کی ہر شکل کو تہس نہس کیا جائے۔ کوئی انسان اپنی جان یا مال کا حقیقی مالک نہیں۔ اس کے مال میں زکات کا حکم ہے، کیوں کہ اس کے مال کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے اس میں حکم الٰہی جاری ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کا حکم نہیں، کیوں کہ جان کا مالک خدا ہے، اس میں حکم خداوندی جاری ہوگا۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (سورہ بقرہ: آیت 195)

اپنی جان ظالم کے سپرد کر دینا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ آپ کو دفاع کا حق ہے۔ حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بائیس ہزار کے لشکر سے بھی اپنا دفاع فرمایا، اپنی جان ظالموں کے سپرد نہیں فرمایا۔ مذہبی رہنماؤں کو اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہئے۔

نماز و روزہ کی فرضیت اپنے وقت پر مستحکم اور یقینی ہے۔ خواہ مصیبت آئے، یا نہ آئے۔ نماز و روزہ کا تعلق مصیبت و نعمت سے نہیں، بلکہ وقت سے ہے۔ رمضان کا مہینہ آیا، روزہ فرض ہو گیا۔ ظہر کا وقت آیا، ظہر کی نماز فرض ہو گئی۔ اگر کوئی ظہر سے پہلے مر گیا تو اس پر ظہر کی نماز فرض نہیں ہوگی۔ آپ نعمتوں میں ڈوبے ہوں یا مصیبتوں میں مبتلا ہوں، وقت آیا تو اس وقت کی نماز فرض، ماہ رمضان آیا تو روزہ فرض ہو جائے گا۔

یہ بھی صحیح ہے کہ کبھی رب تعالیٰ کی معصیت کے سبب مصیبت آتی ہے۔ کبھی عام معصیت کے سبب اور کبھی خاص معصیت کے سبب خاص شعبہ میں مصیبت آتی ہے، مثلاً صدقہ، زکات وانفاق فی سبیل اللہ شعبہ مالیات میں برکت کا سبب ہے، پس اگر کوئی صدقہ وزکات ادا نہ کرے اور نماز و روزہ کی پابندی کرے تو بھی مال کی بے برکتی ختم نہیں ہوگی، کیوں مالی شعبہ میں برکت کے واسطے صدقہ وزکات کا حکم دیا گیا:

وَمَا اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (سورہ روم: آیت 39)

ترجمہ: اور جو تم خیرات دو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو انہیں کے دونے ہیں۔ (کنز الایمان)

عَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَنْفِقِیْ وَلَاتُحْصِیْ فَیُحْصِی اللّٰہُ عَلَیْکِ وَلَاتُوْعِیْ فَیُوْعِی اللّٰہُ عَلَیْکِ، اِرْضِخِیْ مَا اسْتَطَعْتِ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت اسما رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خرچ کرو، اور شمار نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں شمار کر کے عطا فرمائے گا، اور روک کر نہ رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ روک کر رکھ لے گا۔ جہاں تک ہو سکے، خرچ کرو۔

تشریح: حدیث مبارک کا مفہوم یہ ہے کہ بندگان الٰہی جس قدر خدا کی راہ میں خرچ کریں گے، اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے بندوں کو زیادہ عطا فرمائے گا۔ اگر بندے انفاق فی سبیل اللہ میں کمی کریں گے تو ان کو کم عطا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے واسطے خدا کی راہ میں خرچ کرنا مال و دولت میں برکت کا سبب اور کثرت نعمت کا ذریعہ ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ آخرت میں ثواب اور دنیا میں وسعت رزق کا وسیلہ ہے۔

ملک کی حفاظت کے لیے سرحدوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا۔ ارشاد الٰہی ہے: ''وَرَابِطُوْا'' (سورہ آل عمران: آیت 200)

اگر لوگ نماز و روزہ کی خوب پابندی کریں اور سرحدوں کی حفاظت نہ کریں تو غیر ممالک کی حکومتیں حملہ کر کے اس ملک پر قبضہ کر لیں گی

، کیوں کہ حفاظت ملک کے باب میں خداوند تعالیٰ کا خاص حکم تھا، جس کی نافرمانی کی گئی۔
اسی طرح دشمنوں کے ظلم سے بچنے کے واسطے ''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ'' (سورہ انفال: آیت 60) کا حکم ہے۔ جب اس باب کے خصوصی حکم کی نافرمانی ہوگی تو مصیبت آسکتی ہے۔
ایسے موقع پر اس خاص حکم الٰہی کی جانب توجہ نہ دینا اور محض نماز و روزہ کی ترغیب دینا یقیناً قابل تعجب ہے۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ عبادتیں دراصل آخرت کی تیاری ہے، گرچہ ان کے دنیاوی فوائد بھی ہیں، لیکن دنیاوی مصیبتوں سے تحفظ کے واسطے مستقل احکام ہیں، ان سے چشم پوشی کرنا یقیناً غلط ہے۔ علمائے اسلام عبادتوں کی ترغیب کے ساتھ ہر موقع کے خاص احکام بھی قوم کو بتائیں۔
اسلام کے عملی قوانین کا بیان فقہ کی کتابوں میں ہوتا ہے، ان کتابوں میں زندگی کے ہر شعبے کے احکام مرقوم ہوتے ہیں۔ مقررین ومحررین فقہی احکام کے ساتھ بھارتی قوانین پر بھی نظر رکھیں اور قوم کی ہمہ جہت رہنمائی فرمائیں۔ قوم کا وقت اور ان کا پیسہ برباد نہ کیا جائے۔ تحریر وتقریر ہر ایک میں قوم کا وقت اور پیسہ خرچ ہوتا ہے۔
حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی قدس سرہ العزیز نے 1857 میں انگریزوں کے خلاف جہاد فتویٰ بھی دیا تھا اور بعض موقع پر فوج کی سپہ سالاری کا فریضہ بھی انجام دیا تھا۔ غزوۂ خندق کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا اور ہتھوڑا لے کر خندق کا پتھر بھی توڑ رہے ہیں۔ اے عالمو! یہ وہ ہیں کہ مخلوقات میں ان کی طرح کوئی نہیں۔ اگر آپ بوقت ضرورت ہاتھ میں کدال لے کر زمین کھودنے میں حیا محسوس فرماتے ہیں تو پھر آپ کس منہ سے خود کو وارث انبیا کہتے ہیں؟ یقیناً ایسی فکر ونظر پر نظر ثانی ضروری ہے۔
برہمن قوم، مول نواسی اقوام اور مسلمانوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتی ہے۔ غلامی کے لیے غربت اور جہالت ضروری ہے، اسی لیے ان دونوں قوموں کو غربت وجہالت میں دھکیلنے کی نوع بہ نوع سازشیں کی جاتی ہیں۔ جائیداد واملاک کی تباہی دراصل غربت میں دھکیلنے کے واسطے کی جاتی ہے۔ دینی تعلیم ضروری ہے، اور یہ ہماری عبادت وبندگی کا ایک حصہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رات کی ایک ساعت میں علم دین حاصل کرنا رات بھر نفل نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح: کتاب العلم) یعنی نوافل سے بڑی عبادت علم دین کی تحصیل ہے۔
دنیاوی بھلائی کے لیے دنیاوی علوم کی ضرورت ہے۔ جب لوگ تعلیم یافتہ ہوں گے تو دنیاوی بھلائیوں کی تلاش آسان ہوگی، اور حکومتی شعبہ جات میں شمولیت کی راہ ہموار ہوگی۔ مسلمانوں کے حکومتی شعبہ جات میں شامل ہونے سے کچھ مشکلات کم ہوں گی۔ غزوۂ بدر میں ستر مشرکین مکہ گرفتار ہوئے۔ ان کی رہائی کے لیے فدیہ متعین ہوا۔ جن کے پاس فدیہ ادا کرنے کی قوت نہیں تھی، اور وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، تو صحابہ انصار کے بچوں کو تعلیم دینا ان کا فدیہ مقرر ہوا۔ یہ مشرکین مسلم بچوں کو دینی علم نہیں سکھاتے تھے، بلکہ دنیاوی علم سکھاتے۔ اس سے واضح ہوگیا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے بچوں کے واسطے دنیاوی تعلیم کا انتظام فرمایا۔ دنیاوی تعلیم ناجائز نہیں، بلکہ دین کو فائدہ پہنچانے کی نیت سے دنیاوی تعلیم کا حصول بھی کار خیر ہے۔ مسلمان دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم بھی حاصل کریں۔
آر ایس ایس نے ملک بھر میں عصری تعلیم کے لیے بہت سے اسکول قائم کیے ہیں، جہاں مسلم بچے بھی تعلیم پاتے ہیں۔ وہ بچوں کو مسلم سلاطین ہند اور اسلامی تہذیب کے خلاف ورغلاتے ہیں۔ اب بھارتی مسلمان اتنا کمائیں کہ اپنا بوجھ بھی اٹھا سکیں اور کچھ رقم قومی امور پر بھی خرچ کریں۔ جابجا عصری تعلیم گاہیں قائم کی جائیں، جس میں مول نواسی اقوام کے بچوں کی تعلیم کا بھی نظم ہو۔ ان کی صالح تربیت کی جائے۔
مول نواسی اقوام میں او بی سی (OBC) کی متعدد برادریاں برہمنوں کے قریب ہیں۔ یہ لوگ ابھی قابل اعتماد نہیں۔ ایس ٹی، ایس سی اگر مسلمانوں پر حملہ نہیں کرتے تو یہ حملہ آوروں کو روک بھی نہیں سکتے، لہٰذا مسلمانوں کو مسلم آبادیوں میں رہائش اختیار کرنا چاہئے۔
جہاں مسلمان قلیل تعداد میں ہیں، رفتہ رفتہ ان علاقوں سے نکل کر کثیر مسلم آبادی والے علاقوں میں منتقل ہو جائیں۔ دہلی فساد: فروری 2020 نے یہ واضح کر دیا کہ اب مول نواسی اقوام (بھارت کے اصل باشندگان/شودر اقوام) میں کچھ شعور بیدار ہو چکا ہے۔ یہ لوگ فرقہ

وارانہ فساد سے خود کو دور رکھنا چاہتے ہیں۔ اکثر دنگائی باہر سے بلائے گئے تھے۔ بعض مقامی ہندو بھی شریک تھے، لہٰذا احتیاط لازم ہے۔

بھارت میں مسلمانوں کی سیاسی قیادت:

ملکی حالات سب کے پیش نظر ہیں۔ کبھی قرآن مقدس پر تنقید کی جاتی ہے اور کبھی صاحب قرآن حضور اقدس تاجدار کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر۔ مخالفین کے پوشیدہ عزائم طشت از بام ہو چکے ہیں۔ کچھ بھی ہماری نظروں سے اوجھل نہیں۔ ہمیں مستحکم دفاعی اقدام کے لیے اجتماعی طور پر تیار ہو جانا چاہئے۔ بھارت کو اندلس بنانے کی خاطر مخالفین اپنی توانائیاں جھونک رہے ہیں۔ ہمیں دفاعی پوزیشن اختیار کر لینا چاہئے۔

میں ہرگز یہ نہیں کہتا ہوں کہ ملک کے قانون کو آپ اپنے ہاتھ میں لیں، بلکہ ملک کے دستور کی روشنی میں اپنا کام آگے بڑھائیں۔

بھارتی مسلمان تعلیمی اعتبار سے بھی پس ماندہ ہیں اور سیاسی طور پر بھی۔ بعض مسلم سیاسی قائدین مسلمانوں کے لیے دردمند دل رکھتے ہیں۔ علمائے کرام بھی میدان سیاست کی طرف اپنا قدم آگے بڑھائیں۔ وقت کی ضرورتوں کو مدنظر رکھیں۔ بھارت میں ایس سی (SC)، ایس ٹی (ST) اور او بی سی (OBC) کی متعدد سیاسی پارٹیاں ہیں۔ مسلمانوں نے ان پارٹیوں کا ساتھ بھی دیا، لیکن مسلمانوں کو خاطر خواہ حصہ داری نہیں مل سکی۔ ہر پارٹی نے اپنی برادری کو فائدہ پہنچایا اور مسلمانوں کو صرف ووٹ بینک کے طور پر استعمال کیا۔ قوم مسلم اپنی آنکھیں کھلی رکھیں۔ اپنا سیاسی فائدہ ونقصان دیکھ کر کسی جانب پیش قدمی کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری دستگیری فرمائے: (آمین)

موجودہ حالات میں کرنے کے کچھ کام

تحریر: مولانا محمد قمر انجم قادری فیضی چیف ایڈیٹر۔ ماہنامہ جام میر بلگرام شریف

اس وقت بھارت پھر سے ایک طرف کووڈ کی تباہ کاریوں سے دوچار ہے تو دوسری طرف سیاسی اور معاشی بحران کا بھی شکار ہے۔ میں ملک کے تمام باشندوں کو کووڈ سے سبق لینے اور اپنے حقیقی خالق و مالک کی طرف پلٹنے کی دعوت دیتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیمات کو نظر انداز کر کے انسانی معاشرے کی تشکیل کی جتنی صورتیں اختیار کی گئی ہیں ان سب کے بڑے نقائص اور عیوب بے نقاب ہو چکے ہیں اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت شدید تر ہو گئی ہے۔ میں کووڈ کے نتیجے میں ہونے والی اموات کے سلسلے میں تعزیت کا اظہار کرتا ہوں اور ان تمام افراد اور خاندانوں سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں جو کووڈ سے متاثر ہیں، اور اس کے نتیجے میں ہونے والی مالی پریشانیوں سے دوچار ہیں، یا اس دوران اظہار رائے کے جرم میں انتظامیہ اور پولیس کے مظالم کا شکار ہوئے ہیں۔ میں ملک کی موجودہ معاشی اور سیاسی صورت حال پر اپنی فکرمندی کا اظہار کرتا ہوں، عالم اسلام کی صورت حال پر تشویش ظاہر کرتا ہوں اور ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی ذمہ داریاں یاد دلانا چاہتا ہوں

﴿۱﴾ ملک کو معاشی بحران سے بچائیں:

ہمارے ملک کے وزیر اعظم نے کسی تیاری کا موقع دیئے بغیر ہی ۲۴؍ مارچ ۲۰۲۰ء سے اکیس دن کے لاک ڈاؤن کا اعلان کیا تھا۔ اس غیر متوقع اعلان نے ۱۳۰ ملین لوگوں کو سنگین بحران سے دوچار کر دیا تھا۔ اسی طرح عوام کو پریشانی میں مبتلا کرنے والا نوٹ بندی کا اعلان نومبر ۲۰۱۶ء میں کیا گیا تھا۔ اس لاک ڈاؤن نے کروڑوں لوگوں کو کھانے سے محروم، بے گھر اور بے روزگار کر دیا تھا، اور ہزاروں لوگ موت کا نوالہ بن گئے تھے، اسی طرح ملک میں بڑے پیمانے پر لوگ اور خاص طور سے محنت کش طبقہ جنوب سے شمال اور مغرب سے مشرق کی طرف نقل

مکانی کرنے پر مجبور ہوا تھا، اور اب بھی ۲۰۲۱ء/ میں بھی وہی سب کچھ ہو رہا ہے، آکسیجن کی کمی، اسپتالوں کی ناگفتہ بہ حالت، اور انتظامیہ کی لا پرواہی سے آج شمشان گھاٹوں پر صرف اور صرف چتائیں ہی جل رہی ہیں، اور ان کی خوفناک اور کالے دھوئیں سے شہر در شہر کی فضاؤں میں مہیب سائے گھوم رہے ہیں، یہ سب کچھ واضح طور پر حکومت کی بدانتظامی اور غیر ذمہ دارانہ رویئے کی وجہ سے ہوا ہے جس کی ذمہ دار صرف اور صرف بھارت کی حکومت ہے جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں لوگ کووڈ سے متاثر ہوئے، بہت بڑی تعداد میں لوگ بے روزگار ہوئے، ملک کی جی ڈی پی بہت نیچے آگئی۔ اور شرح ترقی منفی ہو جانے کے درپے ہے۔

بحران سے نپٹنے کے لیے مرکزی حکومت، ریاستی حکومتوں کی طرف سے جو بھی کوششیں ہوئی ہیں وہ قابل مذمت ہیں، تاہم موجودہ صورت حال کی سنگینی تقاضا کرتی ہے کہ حکومت مختلف حربوں سے اپنی ناکامیوں کی پردہ پوشی کے بجائے پوری توجہ ملک کے حالات کو بہتر بنانے پر مرکوز کرے۔ نعروں کے بجائے وسیع تر قومی مفاہمت کے ساتھ حکمت عملی اختیار کی جائے اور پارٹی لائن سے اوپر اٹھ کر ملک کے تمام طبقات کا اعتماد حاصل کر کے فوری اقدامات کئے جائیں، کووڈ کی تباہ کاریوں اور اس کا مقابلہ کرنے میں ملک کے نظام معیشت اور نظام صحت کی بے بسی کے پیچھے ملک میں پھیلا ہوا کرپشن اور غیر عوام دوست معاشی پالیسیوں کا بھی بڑا کردار رہا ہے۔ وقت کا ناگزیر تقاضا ہے کہ فوری وقتی اقدامات کے ساتھ ساتھ اور ان سے آگے بڑھ کر ملک کو کرپشن، لوٹ، مار، کھسوٹ، سے پاک کرنے کی سنجیدہ کوششیں کی جائیں، ملک کی معاشی پالیسیوں پر نظر ثانی کی جائے، نجکاری کی طرف بڑھتے قدموں کو روکا جائے، صحت و تعلیم کی تجارت کاری سے باز رہا جائے اور بجٹ کے بڑے حصے کو عوام کے رفاہ اور روزگار کے مواقع بڑھانے کے لئے مختص کیا جائے، ملک کی اس سنگین صورت حال سے نپٹنے کے لئے حکومت پر تکیہ کرنا ہرگز کافی نہیں ہو سکتا ہے، اس کے لیے عوامی بیداری اور احساس ذمہ داری ناگزیر ہے۔ عوام کو ہر طرح کی تفریق سے بالاتر ہو کر بھائی چارے کے ماحول کو بڑھانا چاہئے اور باہم کفالت کے رجحان کو فروغ دینا چاہئے، جو لوگ بے روزگار ہیں، یا کووڈ کی وجہ سے ناقابل برداشت اخراجات کا سامنا کر رہے ہیں، ان کی کفالت کے لئے معاشرے کے تمام افراد بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، یہ انسانیت کا تقاضا ہے، جو سبھی پر عائد ہوتا ہے۔

(۲) ملک کو سیاسی بحران سے باہر نکالیں:

اگر ایک طرف ملک معاشی بحران کے دہانے پر کھڑا ہے تو دوسری طرف وہ سیاسی بحران سے بری طرح دوچار ہو چکا ہے۔ آئینی اداروں کی خودمختاری پر بڑے اور ناقابل نظر انداز سوالیہ نشانات کھڑے ہو گئے ہیں۔ اظہارِ اختلاف کی آزادی شدید خطرے سے دوچار ہے، عدلیہ کے اعلیٰ ترین اداروں سے جاری ہونے والے فیصلے پوری دنیا میں تنقید کا نشانہ بن رہے ہیں، حزب اقتدار ملک کی اقلیتوں کے خلاف مسلسل جارحیت کا مظاہرہ کر رہی ہے تو حزب اختلاف کا رول ناقابل ذکر ہو کر رہ گیا ہے۔ موجودہ حکومت کی اقلیتوں، دلتوں، کمزور طبقات اور خاص طور سے مسلم مخالف پالیسیاں اور فیصلے ملک کی جمہوری پہچان کے لئے شدید خطرہ بن چکے ہیں۔ میڈیا اور سوشل میڈیا کے ایک خاص طبقے کا کردار ملک میں یکجہتی کی فضا کو مسموم کرنے والا ہ گیا ہے، میڈیا اور سوشل میڈیا میں نفرت پھیلانے والی باتیں اور ان پر حکومت کی خاموشی اور بسا اوقات سرپرستی ملک کی اقلیتوں کے اندر بے اعتمادی اور غصہ کا سبب بن رہی ہے۔ این آر سی، سی اے اے اور این پی آر کے علاوہ اس لاک ڈاون میں آکسیجن اور بے جا الزامات عائد کر کے قید و بند سے دوچار کیا جا رہا ہے، وہ نہایت قابل مذمت ہے۔ حکومت کی اولین ذمہ داری اور آئین سے وفاداری کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ وہ آئین اور آئینی اداروں پر ملک کے تمام طبقات کے اعتماد کی حفاظت کرے۔ نیز سیاسی بحران کی یہ صورت حال ملک کے تمام لوگوں کے لیے فکرمندی کا باعث ہونی چاہیے۔

﴿۳﴾ عالم اسلام کی تشویش ناک صورت حال:

عالم اسلام کے مختلف خطوں، میں برسوں سے جاری خانہ جنگی تشویش ناک ہے۔ان خانہ جنگیوں میں لاکھوں جانیں تلف ہوئیں اور نا قابل شمار مالی نقصانات لاحق ہو چکے ہیں۔صورت حال کی اس خرابی کے لئے عالمی طاقتیں بھی یقیناً ذمہ دار ہیں، تاہم اسے سنبھالنے اور درست کرنے کی اولین ذمہ داری امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے۔ضروری ہے کہ ان خانہ جنگیوں کے اسباب کی صحیح تشخیص کی جائے اور ان کے سدِّ باب کی عالمی سطح پر مہم چلائی جائے۔

بعض مسلم ممالک میں سیاسی بالیدگی اور حقوق انسانی کی صورت حال تشویش ناک ہے، ان ملکوں میں اظہارِ رائے پر پابندی ہے اور اصلاح کی پرامن کوششوں کے جرم میں ہزاروں افراد برسہابرس سے جیلوں میں بند ہیں۔مسلم ممالک کی یہ صورت حال عالمی سطح پر ان کی تصویر کو خراب کرنے والی ہے اور ان کی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔اسے تبدیل کرنے کے لئے تشدّد سے مکمل پرہیز کرتے ہوئے مسلسل اور طویل پرامن جدوجہد ضروری ہے۔

(۴) ہندوستانی مسلمان حوصلے کے ساتھ اپنا فرض نبھائیں:

ہندوستانی مسلمانوں کو وطن عزیز میں جن مسائل کا سامنا ہے، ان میں سب سے سنگین مسئلہ بڑھتی ہوئی فسطائیت اور رسول پاک کی بارگاہ میں گستاخیوں کا سلسلہ دراز ہوتا جارہا ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ یہ طوفان مزید بلاخیز ہوتا چلا جارہا ہے۔یقیناً فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی کا یہ ماحول نیا نہیں ہے۔ملک میں نفرت اور تعصب کو ہوا دینے اور مسلمانوں کے خلاف فسطائی طاقتوں کے گمراہ کن پروپیگنڈے کی ایک پوری تاریخ موجود ہے۔البتہ حالیہ برسوں میں جب سے فرقہ پرستی اور فسطائیت کے اس رجحان کو سرکاری چشم پوشی حاصل ہوئی، تب سے صورتِ حال خاصی سنگین ہوگئی ہے۔ نفرت اور فسطائیت کے اس انتہائی خطرناک اور موذی وائرس سے چھٹکارا پانے اور برادرانِ وطن کے ذہنوں میں مسلمانوں سے متعلق پیدا کی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کا ایک مؤثر طریقہ خدمتِ خلق اور فلاحِ انسانیت کی سرگرمیاں اور اسلامی اخلاقیات کے عملی دعوتی مظاہر ہیں، جس کی روشن مثال ملک کے مسلمانوں نے کووڈ کے دوران پیش کی ہے۔پورے ملک میں مسلمانوں نے لاک ڈاؤن کے دوران مصیبت کی اس گھڑی میں بلاتفریق مذہب وملت اپنے ضرورت منداور مصیبت زدہ بھائیوں کی مثالی اور والہانہ انداز میں مدد کی ہے جس کی مثال تاریخ دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے

مسلم تنظیمیں اور مسلم این جی اوز بھی خدمتِ خلق کے معاملے میں پیش پیش رہیں ہیں۔اس دوران مختلف دینی ملی، قومی تنظیموں نے بھی ملک بھر میں مہماتی انداز سے ریلیف کا کام کیا اور ملک وملت کی رہنمائی کے لئے بروقت اپیلیں جاری کیں۔مسلم امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ خدمت ودعوت کی راہ پر صبر وتحمل اور عزم واستقامت کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھے۔

تعلیمی اور معاشی لحاظ سے مسلمانوں کی صورت حال بہت توجہ طلب اور منظّم جدوجہد کی متقاضی ہے۔ملت اسلامیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک نئی فکر وسوچ کے ساتھ تعلیمی اور معاشی ترقی کی منصوبہ بندی کرے۔ملک کی نئی تعلیمی پالیسی کی کمزوریوں پر تنقید کے ساتھ اس میں موجود امکانات کو اپنی تعلیمی ترقی کے لئے استعمال کرے۔اسی طرح ملک کے قوانین اور ضوابط سے عدم واقفیت اور ایک حد تک لاپروائی آنے والے وقتوں میں دشواریوں میں اضافہ کرسکتی ہے۔مسلمانوں کی این جی اوز، تنظیموں اور دینی ملی فلاحی، رفاہی اداروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام کام ملک کے قانون کے مطابق تمام ضروری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے انجام دیں۔وہیں مسلمانوں کو اپنی تمام قانونی دستاویزات کی تکمیل کے لئے سنجیدہ کوشش کرنی چاہیے۔یہ حقیقت نگاہوں کے سامنے رہنی چاہئے کہ درپیش چیلنجوں اور پریشان کن حالات سے نپٹنے کے لیے تمام ضروری تدبیریں اختیار کرتے ہوئے، نصب العین سے گہرا تعلق بہر حال ضروری ہے، مسلمانوں کی حقیقی کامیابی کا انحصار ان کی اپنے نصب العین سے وابستگی پر ہے۔

تجارت میں کامیابی کے اسلامی اصول

مولانا محمد محسن مکرانوی، البرکات علی گڑھ یوپی انڈیا

اللہ تعالی نے انسان کوزندگی گذارنے کے لئے ذریعہ معاش اختیار کرنے کا حکم دیا اور جو وہ اپنے گھر والوں کی لیے طلب معاش میں محنت کرتا ہے اسے عبادت قرار دیا، اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امتیوں کو اس بات کی تعلیم دی کہ وہ ذریعہ معاش اختیار کریں اور لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں "ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی نے سرکار ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر سوال کیا، ارشاد فرمایا کیا تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ عرض کیا ہاں ایک ٹاٹ ہے جس کا ایک حصہ ہم اوڑتے ہیں اور ایک بچھاتے ہیں اور ایک لکڑی کا پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں حضور نے فرمایا: دونوں چیزیں لیکر آؤ۔ وہ حاضر لائے حضور نے اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: کون انہیں خریدتا ہے؟ ایک صاحب نے کہا ایک درہم کے عوض میں خریدتا ہوں۔ ارشاد فرمایا: ''ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے۔'' ایک اور صاحب نے عرض کیا: میں دو درہم میں لیتا ہوں سرکار نے انہیں یہ دونوں چیزیں دے دیں، اور درہم لے کر انصاری کو دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ایک کا غلہ خرید کر گھر ڈال آؤ اور ایک کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ وہ حاضر لائے۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس میں بینٹ ڈالا اور فرمایا: جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور یہاں تم ۱۵ر دن تک نظر نہ آنا۔ وہ گئے لکڑیاں کاٹ کر بیچتے رہے۔ ۱۵ دن بعد حاضر ہوئے تو انکے پاس دس درہم تھے چند درہم کا کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہ اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن سوال تمہارے منہ پر چھالا ہوکر آتا۔ سوال درست نہیں مگر تین شخصوں کے لیے ایسی محتاجی والے کے لیے جو اسے زمیں پر لٹادے، یا ایسے تاوان والے کے لیے جو اسے رسوا کردے، یا خون دیت والے کے لیے جو اسے تکلیف پہنچائے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶۳)

یوں تو رزق کمانے کے جتنے بھی جائز طریقے ہیں سب مبارک ہیں کچھ تو انبیاء کرام کی سنت ہیں، اور کئی پیشوں سے متعلق احادیث میں فضیلت بھی وارد ہے، مگر ان میں جو سب سے بابرکت ومبارک ہے وہ تجارت ہے۔ تجارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کی سنت ہے، کسی بھی ملک کی نبض اس ملک کے تاجروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اس دور میں جب نوکریوں کی مسلسل قحط سالی ہے اور زعفرانی قوتیں ان کے وسائل پر یلغار کررہی ہیں، اپنی بقا اور ترقی کا سب سے عمدہ طریقہ تجارت ہے۔ ایک مسلم تاجر کا عام آدمی کے بنسبت اللہ پر یقین زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ملازت کہیں نہ کہیں یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ اسکا مالک، اسکی کمپنی اسے سیلری دیگی، مگر تاجر کا یقین صرف اللہ پر ہوتا ہے کہ وہی لوگوں کے دل اسکی طرف پھیرتا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے ''رزق کے دس حصے ہیں نو حصے تجارت میں ہیں (کنز العمال) ایک حدیث میں ہے "راست باز امانت دار تاجر انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا (کنز العمال ج ۴ حدیث ۱۴۸) کہیں ارشاد فرمایا" میں تم لوگوں کو تاجروں سے متعلق خیر کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ آفاق عالم کے قاصد اور زمین پر اللہ کے امین ہیں۔ (ایضاً حدیث 25)

ان تمام روایات سے تجارت کی اہمیت ظاہر ہے اسلام نے زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کی تو بھلا تجارت جیسا اہم گوشہ کیسے چھوٹ سکتا ہے، اسلام نے تجارت سے متعلق ہر طرح کی رہنمائی فرمائی ہے، تجارت کا طریقہ کیا ہے اور اس میں کامیابی کیسے حاصل کی جائے سب کو تفصیل سے بیان کیا ہے آج ہم اسی تعلق سے گفتگو کرتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کس چیز کی تجارت کی جائے تو ہر وہ چیز جس کی شرع میں اجازت ہے اس کی تجارت درست ہے، مگر کچھ کے بارے میں خاص طور پر فضیلت آئی ہے، مثلاً کپڑوں کی تجارت سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" پارچہ فروشی اختیار کرو اس لیے کہ کپڑوں کا تاجر یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ شادابی کے ساتھ رہیں (کنز العمال ۴ حدیث ۶۷۷)

ایک جگہ ارشاد فرمایا بکریاں گھر والوں کے لیے برکت ہے (ابن ماجہ) جب اللہ نے معاش پیدا کیا تو کھیتی اور بکریوں میں برکتیں رکھیں (کنز العمال ج۴ حدیث ۱۵۸)

تجارت کے اندر سب سے بڑی چیز خوش اخلاقی ہے، اسکے بغیر آپ تجارت میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے، خشک مزاج اور بداخلاق دکاندار کے پاس لوگ دوبارہ آنے سے کتراتے ہیں، اس لیے ہمیشہ خوش اخلاقی اور شگفتہ مزاجی کا مظاہرہ کریں، اور گراہک کی بار بار فرمائش پر آپ کے چہرے پر شکن نہیں آنی چاہیے ایک بڑی مشہور چائنیز کہاوت ہے کہ ''جسے مسکرانا نہیں آتا وہ دکان نہ کھولے'' مسکرانا تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور خوش اخلاقی کی اسلام میں بڑی فضیلت ہے اس لیے مسلمان تاجر اس کا ضرور اہتمام کرے اور آپ کا گراہک بار ہا آپ سے سامان کھلوائے یا ڈھیر سارا مال کھلوا کر کچھ بھی نہ لیں تو اس سے آپکے چہرے پر شکن نہ آنے پائے بلکہ حسب سابق اپنے چہرے پر شگفتگی اور مسکراہٹ سجائے رکھے۔

تجارت کے کچھ اصول:

تجارت میں کبھی بھی اندیشہ نہ کریں، مال بیچنے یا خریدنے میں کبھی گھبرائیے نہیں، بلکہ اللہ کا نام لیکر سودا کر لے اور بلا وجہ کا خوف و اندیشہ نہ کریں کہ نقصان تو نہیں ہوگا وغیرہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اندیشہ کرنے والا بزدل تاجر نامراد رہتا ہے اور ہمت کرنے والا دلیر تاجر رزق پاتا ہے" (کنز العمال ج4 حدیث 100) اس لیے Risk لینے سے نہ گھبرائے۔

کامیابی کا ایک اصول یہ بھی ہے:

کہ آپ بار بار اپنا کاروبار بدلے نہیں، بلکہ ایک ہی کاروبار کو صحیح سے جمانے کی کوشش کی جائے۔ یہ اللہ کی ناشکری ہے کہ اس نے آپ کو ایک راستہ سے رزق دیا، اور بندہ اسے بدل کر دوسرا راستہ اختیار کرے، حدیث پاک میں ہے "جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے لیے ایک جہت سے رزق کھول دے تو اسے پکڑے رہے چھوڑے نہیں" (کنز العمال ج 4 حدیث 108) ہاں اگر اس میں کامیابی کی صورت نظر نہ آئے تو حضرت عمر ہماری رہنمائی کے لئے ارشاد فرماتے ہیں "جو شخص تین مرتبہ تجارت کرے پھر بھی اس میں کامیاب نہ ہو تو وہ کسی اور تجارت کی طرف منتقل ہو جائے (کنز العمال ج4 ح672) مگر بغیر کسی معقول وجہ کے صرف شوق کے لیے بار بار کاروبار نہ بدلے اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ ایک میدان میں کامیابی کے بعد اپنی تجارت کو وسعت دینے کی غرض سے اور دوسری تجارتوں میں ہاتھ آزمائے تو یہ ایک اچھی چیز ہے، بلکہ اس نیت سے اگر حصہ لے کہ ہر میدان میں مسلمان تاجر مضبوط ہوں اور اکثر کاروباری بھاگ دوڑ ان کے ہاتھ میں رہیں تو یہ باعث ثواب ہے۔

سویرے اٹھنا:

سویرے صبح اٹھ کر کاروبار میں لگ جائے اور رات کو دیر تک نہ جاگے جس سے صبح آنکھ کھلنے میں پریشانی ہو، یہ فجر کے بعد کا وقت بڑا بابرکت وقت ہے، اس کا فائدہ اٹھایا جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی تلاش سے غافل ہو کر سو نہ جاؤ (ایضاً حدیث 106)۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا: ''رزق اور حاجتوں کی طلب میں صبح سویرے نکلو، اس لیے کہ صبح کو نکلنے میں برکت اور کامیابی ہے'' (ایضاً حدیث 767) کہیں ارشاد فرمایا: اس امت کی برکت صبح سویرے کے وقت میں ہیں۔

مگر آج مسلمانوں کا حال ایک دم برعکس ہے آپ مسلم محلوں میں دیکھیں دیر رات تک لوگ گپ مارتے ہوئے ملیں گے پھر دن میں دیر تک سوتے رہیں گے۔ تو دوسری طرف غیر مسلم بنیا اور مارواڑی تاجر صبح سویرے اٹھ کر دکان چلا جاتا ہے، اب اسکی تجارت کامیاب نہیں ہوگی تو کس کی ہوگی؟ ہم اپنے نبی کی تعلیم کو چھوڑ کر خواب خرگوش کے مزے لیں اور غیر انہیں اصولوں کو اپنا کر کامیاب ہو جائے؟ لہذا رات کو جلد سوئیں فجر کی پابندی کریں اور صبح سویرے ہی دکان وغیرہ کھول دیں اور لوگوں کو پیسہ دیکر قرآن پڑھوانے کے بجائے خود سے دکان میں تلاوت کریں تو زیادہ برکت ہوگی۔

تھوڑا سا بڑھا کر سامان دے:

حدیث پاک میں ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (اے بیچنے والوں) جب تم تولو تو جھکا ہوا تولو (مشکوۃ ص 253) اس حدیث کے جہاں بہت سارے معانی ہیں وہیں تاجر بھائیوں کے لیے اس میں کامیابی کا بہترین راز بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ جب گراہک کو کوئی سامان دو تو تھوڑا سا بڑھا کر دو یا کوئی چیز اپنی طرف سے بغیر عوض کے دو ایسا کرنے سے آپ گراہک کا دل جیتنے لیں گے، اور پھر وہ آپ کی دکان کو چھوڑ کر کہیں اور نہیں جائے گا، اس کی پہلی ترجیح آپ ہوں گے۔ شہر گھوسی میں سفر علم کے دوران مشاہدہ کیا وہاں ایک سبزی فروش تھے اس قطار میں مسلسل کئی دکانیں سبزی کی تھیں، مگر لوگ وہیں جاتے استاذ بھی بولتے وہیں سے خریدنا کچھ دیر انتظار بھی کرنا پڑتا مگر ہم بھی وہیں سے لیتے اس کی صرف یہی وجہ تھی کہ وہ اس حدیث پر عامل تھے، وہ ہمیشہ ترازو جھکا کر تولتے کچھ گرام بڑھا کر دیتے اور اکثر مرچ دھنیا وغیرہ اپنی طرف سے رکھ دیتے جس کی وجہ سے لوگ ان کی طرف کھینچے چلے آتے تھے۔ اور وہ اس حدیث پاک پر عمل کر کے برکتوں سے مالا مال ہو رہے تھے، جب میں نے اس حدیث کو پڑھا تو فوراً مجھے وہ یاد آ گئے۔

ایک اور بات:

تجارت میں مکان اور لوکیشن کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے، اگر آپ نے صحیح جگہ کا انتخاب نہیں کیا تو ہوسکتا ہے آپ کا کاروبار اتنا اچھا نہ چلے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "زمین کی پوشیدہ جگہوں میں رزق تلاش کرو" (کنز العمال ج ۴ حدیث ۱۰۹) یہ حدیث مکان کی اہمیت کو صاف بتا رہی ہے، لہذا ایسی جگہ جہاں عام طور پر تاجر نہیں پہنچتے وہاں اپنا مال پہنچائے، اور تجارت کے لئے سوچ سمجھ کر جگہ کا انتخاب کریں، اور اس حدیث سے ہمیں پٹرولیم، گیس، کان اور اس سے نکلنے والی اشیا میں حصہ لینے کی طرف بھی رہنمائی ملتی ہے جو زمین کی پوشیدہ اور خفیہ جگہوں سے حاصل ہوتی ہیں۔

قسم کھانے سے اجتناب کیا جائے:

سودا بیچنے میں قسم کھانے سے سخت اجتناب کرے اگر چہ سچی قسم کیوں نہ ہو کیونکہ اس سے رزق کی برکتیں ختم ہو جاتی ہیں اور جھوٹی قسم تو اللہ کی پناہ اس سے تو آپ کا رزق بھی مشکوک ہو جاتا ہے اس لیے اس سے بچے ہمارے بعض تاجر بات پر قسم کھاتے ہیں انہیں غور کرنا چاہیے۔

مہنگا سودا ملنے کی امید میں مال کو روک کر نہ رکھیں بلکہ جو نفع وقت پر مل رہا ہے اسی پر سودا کرلے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف سے ان کی تجارت میں کامیابی کے متعلق کسی نے پوچھا تو آپ نے بتایا کہ "میں کبھی جھوٹ بول کر سامان نہیں بیچا، جو عیب ہوتا ہے صاف صاف بتا دیتا ہوں، کبھی ادھار مال نہیں خریدا، اور کبھی مال کو زیادہ نفع کے چکر میں جمع کر کے نہیں رکھا بلکہ جو سودا پہلے ملتا ہے اسی پر بیچ دیتا ہوں، ایک مرتبہ آپ نے ایک ہزار اونٹ ہر اونٹ ایک ہزار درہم کے بدلے میں خریدا اور انہیں ایک ایک ہزار درہم میں واپس بیچ دیا مگر خدا نے آپ کو تجارت کی فہم عطا کی تھی آپ نے ان اونٹوں کی رسی نکال کر ان اونٹوں کو بیچا اور پھر ہر رسی کو ایک ایک درہم کے عوض الگ سے بیچ کر ایک ہزار درہم کمائے۔

کبھی بھی زیادہ منافع کمانے کی کوشش نہ کرے، بلکہ زیادہ گراہک کمانے کی کوشش کی جائے، اگر کسی سودا میں نفع تھوڑا کم بھی مل رہا ہو تو اپنے گراہک کا دل رکھنے کے لئے وہ سودہ کر لیجیے ایسا کرنے سے وہ دوبارہ آپ کی چوکھٹ پر لوٹ کر آئے گا، ایک ہی آدمی سے سارا نفع حاصل کرنے کی کوشش کرنا تجارت کے اصولوں کے خلاف ہے۔

تجار میں جہاں جھوٹ سے اجتناب اور سچ کا التزام ضروری ہے وہیں مارکیٹ میں اپنی جدا پہچان بنانا بھی ضروری ہے، ہمارے بزرگوں کا حال پڑھیں، سیدنا امام اعظم کے شریک نے بغیر عیب بتائے کوئی کپڑا بیچ دیا تو سارا مال صدقہ کر دیا، اور ایک مرتبہ قیمت سے زیادہ مال بیچنے پر بغداد سے مدینہ منورہ کا سفر فرمایا تا کہ جس کا نقصان ہوا ہے اس کا پیسہ اسے دے دیا جائے، ایک مثالی تاجر بنیں کہ لوگ دیکھ کر کہیں کہ مسلمان تاجر ایماندار ہوتے ہیں۔

خریدار کومشورہ دینا:

سودہ بیچتے وقت اپنے گراہک کومشوروں سے نوازیں اپنے ذاتی منافع سے قطع نظر اپنے بھائی کی خیر خواہی کی نیت سے انہیں مشورہ دے مثلاً یہ مہنگا پڑے گا اسی جیسا دوسری کمپنی کا آپ کو مناسب دام میں مل جائے گا، یہ چیز آپ پر خوبصورت لگے گی یا جیسا سامان آپ چاہتے ہیں فلاں دکان پر اچھا مل جائے گا اسکی قیمت اتنی ہے اس سے زیادہ مت دینا وغیرہ۔ حضور نے فرمایا''دین خیر خواہی کا نام ہے'' ایسا کرنے سے آپ کو خیر خواہی کا ثواب بھی ملے گا اور لوگ آپ کو خیر خواہ سمجھ کر ہمیشہ آپ کے پاس آئیں گے، اور بہت ممکن ہے کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لائیں گے، آپ بڑے بڑے شاپنگ مال جائیں وہاں کام کرنے والے لوگوں کو اس بات کی ٹریننگ دی جاتی ہے، کہ وہ خوش اخلاقی سے پیش آئیں گراہکوں کو مشورہ دیں اور ان کا اعتماد حاصل کریں، اور یہ سارے آپ کے یہاں پہلے سے موجود ہے۔

عبادت:

تجارت، نماز اور یاد خدا سے غافل نہ کرنے پائے ساتھ ہی پابندی کے ساتھ زکوۃ ادا کرنا بھی ضروری ہے، اگر ان اوصاف کے ساتھ تجارت کی جائے، تو اللہ وحدہ لاشریک نے سورہ نور کی آیت نمبر 38 میں بے حساب رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ رزاق کے در کو چھوڑ کر، اسے ناراض کر کے کیسے رزق کی برکتیں حاصل کی جاسکتی ہیں؟ زکوۃ ادا نہ کرنے سے مال میں آفت آتی ہے۔ اس لیے نماز اور زکوۃ کی پابندی انتہائی لازم ہے۔

صدقات نافلہ:

جتنی آمدنی ہو اسکا ایک حصہ فرض زکوۃ کے علاوہ راہ خدا میں خیرات کرنے کے لیے مختص کرلیں، اس میں کوتاہی نہ کریں، اگر کبھی حالات اچھے نہ ہو تب بھی اس حصہ میں کمی نہ کریں، کیونکہ یہ تنگی کو دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے ہمارے بعض بھائی حالت تنگی میں سب سے پہلے اسی حصہ میں کمی کرتے ہیں، حالانکہ یہی حصہ تو ان پر رزق کے دروازے وسیع کرنے کا سبب ہے، اسی کو بند کرلیا، اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ آیت 261 میں اپنی راہ میں ایک خرچ کرنے پر سات سو بلکہ اس سے زیادہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے لہٰذا اس میں کوتاہی نہ ہونی چاہیے۔

ہمارے مسلمان بھائی جمعہ کی نماز کے بعد چھٹی مناتے ہیں، حالانکہ یہ تو برکت والا وقت ہے مفسرین سورہ جمعہ کی اس آیت "جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو (آیت 10 جمعہ) کے تحت فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کی نماز کے بعد طلب رزق میں نکلے تو اس میں ستر گنا تک برکت ہوتی ہے'' لہٰذا اسکا فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اپنی دکان پر "بکا ہوا مال واپس نہیں ہوگا یا no exchange جیسے بورڈ نہ ہی لگائیں تو بہتر ہوگا، یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے بلکہ اگر سامان ایسا ہے جسے واپس لینے میں کوئی عیب نہ ہو تو آپ یہ بورڈ لگائیں کہ بھائی سامان خریدنے کے بعد تین دن کے اندر واپس کرنے کا اختیار ہے، یا سامان میں عیب نکلے تو واپس کر سکتے ہیں، جس کو شرع میں خیار شرط، خیار عیب کہتے ہیں، جب آپ ایسا کریں گے تو ان شاء اللہ برکت ہوگی، گراہک کو آپ پر بھروسہ ہوگا، کہ مال اچھا ہے تبھی تو یہ بورڈ لگایا ہے، نتیجۃً لوگ دوسروں کی بنسبت آپ کو ترجیح دیں گے ہاں اگر سامان ایسا ہو کہ واپس لینے میں نقصان کا اندیشہ ہو تو آپ اپنے گراہک کو صاف بتا دیں کہ بھائی آپ اچھے سے دیکھ لیں سوچ لیں کہ مثلاً کپڑا کاٹنے کے بعد پھر واپس نہیں ہوگا۔

آپ یہ شرط بھی نہ لگائیں کہ سامان اگر بدلتے ہیں تو دوسرا سامان اسکے بدلے میں لینا ہوگا پیسہ واپس نہیں ہوگا، ہرگز نہیں یہ شرعاً درست نہیں ہے، بے چارہ کوئی مجبوری کی وجہ سے سامان واپس کرنے آیا ہے کہ اس کو پیسوں کی ضرورت ہے تو آپ اگر اس کے بدلے میں دوسرا سامان دیں تو اس کا کیا فائدہ ہوگا؟ آپ اسلامی اصولوں پر عمل کریں تجارت کے مسائل سیکھیں اگر کسی وجہ سے براہ راست نہ سیکھ پائیں تو علما کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دھیرے دھیرے سیکھنے کی کوشش کریں، کیونکہ جب آپ تجارت کر رہے ہیں تو اسکے مسائل جاننا آپ پر ضروری ہو جاتا ہے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو فرمایا کرتے "ہمارے اس بازار میں وہی شخص بیع کرے جو دین میں فقاہت رکھتا ہو (کنز العمال ج 4

حدیث 252) اوراب اس دور میں اتنے علماء موجود ہیں، تو یہ کوئی مشکل چیز نہیں ہے، آپ اس سلسلہ میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سیرت کا ضرور مطالعہ کریں ان کی تجارت میں کامیابی کا کیا راز تھا؟ کہ جو مال انہوں نے اپنے ترکہ میں چھوڑا تھا اگر اس کی مالیت کا اندازہ ڈالر میں لگایا جائے تو موجودہ وقت کے امیر ترین آدمی بل گیٹس کی کل جائداد سے چھ گنا زیادہ تھا اور دیگر مسلم تاجروں کا مطالعہ کریں۔

اپنے ماتحتوں یا جو آپ کے یہاں سے سودہ لیجا کر فروخت کرتے ہیں، اور اپنے دوستوں، بھائیوں، کو بھی ترقی کی راہ خلوص کے ساتھ دکھانے کی کوشش کریں، متحدہ ہندوستان کے ایک بڑے مسلمان تاجر تھے ان سے پوچھا گیا آپ اتنے بڑے کروڑ پتی کیسے بن گئے، تو انہوں نے جواب دیا میں نے اپنے ساتھ والوں کو لاکھ پتی بنایا تو اللہ نے مجھے کروڑ پتی بنا دیا، لہذا اپنے ساتھ دوسروں کو بھی سنوارنے کی کوشش کریں اسلام تو یہی کہتا ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرو وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرو۔

اب آخر میں کچھ دعائیں ملاحظہ فرمائیں:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص رزق ملنے میں دیر محسوس کرے تو تکبیر زیادہ کہے اور جسکا رنج وغم زیادہ ہو تو استغفار زیادہ کرے (مسند فردوس) اور فرمایا محتاجی اور تنگ دستی جس کا پیچھا نہ چھوڑے وہ لاحول (لاحول وقوۃ الا باللہ العلی العظیم) کی کثرت کریں۔ (تنبیہ الغافلین) ایک جگہ ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو کوئی دشواری ہو تو گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے "**بسم اللہ علی نفسی و دینی ومالی، اللھم رضنی بقضائک و بارک لی فیما قدر لی حتی لا احب تعجیل ما اخرت، ولا تاخیر ما عجلت**"

ترجمہ: اللہ کے نام سے میرے نفس مال اور دین پر، اے اللہ مجھے اپنی قضاء سے راضی کر اور میرے لیے جو مقدر ہے اس میں برکت عطا فرما کہ میں اس میں جلدی نہ چاہوں جسے تو نے موخر رکھا ہے اور اسکا موخر ہونا نہ چاہوں جسے تو نے جلد رکھا (کنز العمال ج ۴ حدیث ۱۳۰)

جیسے بھی حالات ہوں ہمیشہ حلال کی طلب میں رہنا چاہیے، اللہ کا وعدہ ہے "جو اس کا خوف رکھے اللہ اس کے لیے راہیں کھول دے گا، اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں تھا" (سورہ طلاق) اللہ تمام مسلمان تاجروں کو کامیاب فرمائے اور مسلمانوں کو تجارت میں دلچسپی لینے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

الوباء كالنار وأنتم وقودها

کرونا وائرس اور احتیاطی تدابیر

مولانا شمیم رضا اویسی امجدی مدینۃ العلماء گھوسی مئو

ملک ہندوستان میں کرونا وائرس کی موجودہ صورتحال دن بہ دن خوفناک شکل اختیار کرتی جا رہی ہے، ہر طرف موت کا پہرہ ہے، ہر شخص پر خوف و ہراس کی کیفیت طاری ہے، لہذا ایسے وحشت بھرے ماحول میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم لوگ حتی الامکان حفاظتی اور احتیاطی امور پر اپنی توجہ مرکوز کریں اور اس چیز کو محض جدید میڈیکل سائنس کی ہدایات تصور نہ کریں بلکہ اسلامی تعلیمات اور ارشادات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عین مطابق جانیں، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح لوگوں کے دلوں اور نفوس کی اصلاح فرمایا کرتے اسی طرح انکی جسمانی صحت اور امراض سے حفاظت کا بھی انتظام فرماتے تھے، یہی وجہ ہے کہ علم طب کے ایک انتہائی اہم شعبے طب وقائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت ساری احادیث مروی ہیں، چونکہ بیماری کا علاج بذات خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ اہم چیز انسانی صحت کی حفاظت اور اسے بیماری کا شکار ہونے سے بچانا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آغاز ہی سے حفظانِ صحت کا

اہتمام فرمایا اور طب سے متعلق اپنے اکثر ارشادات کی بنیاد طب وقائی پر رکھی، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ اہتمام فرمانا اس قدر مضبوط و مستحکم تھا کہ دورنبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مدینہ آنے والے عیسائی اطباء کو کوئی کام نہیں ملتا تھا اسکی وجہ یہ تھی مسلمان حفظانِ صحت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات پر پوری طرح عمل پیرا ہوتے ہوئے خود کو اس قدر تندرست اور توانا رکھتے تھے کہ انہیں کسی بھی قسم کی کوئی بیماری لاحق نہیں ہونے پاتی تھی، ویسے اگر دیکھا جائے تو گزشتہ صدیوں میں انتونین، خسرہ، ملیریا، انفلوئنزا، ہنٹا، ایبولا، کانگووائرس، ڈینگو اور چیچک جیسے مختلف جراثیمی امراض نے پوری دنیا کو کافی حد تک متاثر کیا لیکن ماہرین کے مطابق انسانی تاریخ میں وبائی امراض میں سب سے مہلک اور ہلاکت خیز طاعون کا مرض گزرا ہے، جس نے کروڑوں انسانی جانیں تلف کیں، حتیٰ کہ دورنبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بھی اس وبائی مرض کا کافی دوردورہ تھا مگر اسکے باوجود بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس سے پوری طرح سے محفوظ ومامون رہے، چنانچہ ابن کثیر نے ''البدایہ والنہایہ'' اور ابن اثیر نے ''الکامل فی التاریخ'' کے اندر لکھا ہے کہ ''اس دور میں یہ ایک ایسی بیماری تھی جس سے بچاؤ کا کوئی راستہ نہ تھا، لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس بیماری سے محفوظ تھے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق صاف ستھرے شہر میں صاف ستھری زندگی گزارتے تھے، لیکن جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جنگی مہمات میں شام، حلب اور انطاکیہ وغیرہ کی طرف جانا پڑا تو ان علاقوں کے بازنطینی سلطنت سے ملحق ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی اس بیماری کا سامنا کرنا پڑا، جس کے نتیجے میں عمواس کے مقام پر وبا پھیلی جسمیں پچیس ہزار مسلمان جاں بحق ہو گئے'' (جلد ۸ ص ر ۹۰ و ۹۱) (جلد ۲ ص ۵۶۰)

آج بعض حضرات کا ان احتیاط پر مبنی روایات کی آڑ میں حدیث ''**لا عدویٰ**'' سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہ دعویٰ ہے کہ کچھ امراض متعدی ہوتے ہیں یعنی ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف سرایت کرتے ہیں، اور دلیل میں سرکار دوعالم ﷺ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں، **لا یورد المرض علی المصح** یعنی بیمار اونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس نہ جانے دیا جائے۔ (صحیح بخاری، کتاب الطب، حدیث لاعدویٰ)

جبکہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اکثر ایسا سابقہ تقدیر اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوجاتا ہے تو جانوروں کا مالک تعدی کے شبہے کی وجہ سے فتنہ اور شک میں مبتلا ہوسکتا ہے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے بیمار جانوروں کو تندرست جانوروں سے دور رکھنے کا حکم دیا، مزید اس بات کی تائید ایک حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے کہ، جب سرکار دوعالم ﷺ نے محضرِ صحابہ میں حدیث ''لا عدویٰ'' بیان فرمائی تو ایک اعرابی نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! پھر میرے اونٹوں کو کیا ہوگیا ہے کہ جب تک وہ ریگستان میں رہتے ہیں تو ہرنوں کی طرح صاف اور خوب چمکتے رہتے ہیں، پھر انمیں ایک خارش والا اونٹ آجاتا ہے اور انمیں گھس کر انہیں بھی خارش لگا جاتا ہے! تو نبی کریم **علیہ الصلوۃ والتسلیم** نے فرمایا، **فمن اعدی الأول** یعنی یہ بتاؤ کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی تھی؟

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ مریض سے مرض تجاوز کرنے کا نظریہ بالکل باطل اور غلط ہے! اسی طرح بعض حضرات تعدیہ جراثیم کا دعویٰ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرض کے جراثیم ایک جسم سے اڑکر دوسرے جسم میں منتقل ہوتے ہیں، اور دلیل میں بخاری شریف کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں جسے امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں نقل کیا ہے، ''**وفر من المجذوم کما تفر من الأسد**'' یعنی کوڑھی سے ایسے ہی بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو، (صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الجذام)

اور استدلال بایں طور کرتے ہیں کہ جذام (Leprosy) یعنی کوڑھ چھوت سے لگنے والی ایک متعدی بیماری ہے جو ایک جرثومہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، جو ایک جسم سے دوسرے جسم میں سرایت کرتے رہتے ہیں، اور اسی وجہ سے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوڑھ کے مرض میں مبتلا شخص سے سختی کے ساتھ دور رہنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے جس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعدیہ جراثیم کا نظریہ بالکل سہی اور درست ہے! حالانکہ اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو اس حدیث مبارک میں تمثیل کا کوڑھ کے جراثیم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی

کوڑھی کو شیر سے تشبیہ دینا مقصود ہے، کیونکہ اس حدیث سے نہ تو اسطرح کا کوئی مفہوم متصور ہوتا ہے اور نہ ہی سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ مقصود ہے، بلکہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد اس مہلک بیماری کا مقابلہ کرنے اور اس سے احتیاطی تدابیر دریافت کرنے کی ترغیب دینا ہے، یعنی انسان کو حتی الامکان حفظانِ صحت کے اصولوں پر کاربند رہنا چاہیے اور اس بیماری کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں، گویا انسان جسطرح شیر کا سامنا کرنے سے گھبراتا ہے اسی طرح اسے اس مرض میں مبتلا ہونے سے محتاط رہنا چاہیے،

واضح رہے کہ اس دنیا میں اللہ رب العزت نے بہت سی چیزوں کو اسباب کے ساتھ جوڑا ہے لیکن درحقیقت یہ سارے اسباب اپنا اثر دکھانے میں اللہ رب العزت کے حکم کے پابند ہیں، لہٰذا نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے دومختلف موقعوں پر ایسا عمل پیش کیا جس سے یہ دونوں باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک مجذوم آیا (جذام شدہ شخص، جس مرض کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ متعدی ہوتا ہے) تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسکے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیمار آدمی سے یقینی طور پر بیماری لگ جانے کا اعتقاد درست نہیں، دوسرے موقعے پر ایک مجذوم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کرنے آیا تو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ ملائے بغیر ہی اسے بیعت کرلیا، بلکہ اسے دور ہی سے پیغام بھجوادیا کہ ہم نے تمہیں بیعت کرلیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احتیاط کے درجہ میں بیماری کے ظاہری اسباب سے بچنا ضروری ہے۔

لہٰذا احتیاط وتدبیر کرنا اور حسب استطاعت اسباب کا اختیار کرنا نہ صرف یہ کہ ضروری بلکہ مؤمن کا فریضہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ''یـآیـهـا الـذین آمنوا خذوا حذر کم'' (النساء ۷۱/۴) اے ایمان والو! تم اپنے بچاؤ کے سامان رکھا کرو۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے ''لا تلقوا بایدیکم الی التهلکة'' (البقرۃ ۱۹۶/۲) کہ تم اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث سے بھی اس کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے ''عـن ابـی خزامة قال سئل رسول الله صلی الله تعالیٰ عـلیـه وسـلـم ارایت ادویة نتـداوی بها و رقی نسترقی بها و تقی نتقیها هل ترد من قدر الله شیئا قال، هی من قدر الـلـه'' حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جن دواؤں سے ہم علاج کرتے ہیں اور جودم وغیرہ کرتے ہیں، نیز احتیاطی اور حفاظتی تدابیر ہم اختیار کرتے ہیں، کیا یہ اللہ عزوجل کی تقدیر کو ٹال دیتی ہیں؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ چیزیں تو خود اللہ عزوجل کی تقدیر ہیں، (سنن ابن ماجہ، کتاب الطب)

علاوہ ازیں صحیح مسلم کی ایک حدیث میں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ایک انتہائی حکمت آمیز نصیحت، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی:

''غـطـوا الانـاء و اوکوا السقاء فإن فی السنة لیلة ینزل فیها وباء لا یمر باناء لیس علیه غطاء او سقاء لیس علیه وکاء الا نزل فیه من ذالک الوباء''

برتنوں کو ڈھانپ کر رکھا کرو! اور مشکیزوں کے منہ بند کردیا کرو! کیوں کہ سال میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے اور وہ وبا کھلے برتن یا مشکیزے میں سرایت کرجاتی ہے، (صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ)

اسی طرح حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان ''الـوبـاء کـالـنـار و أنتم وقودها تفرقوا حتیٰ لا تجد ما یشعلها فتنطفیء'' جو بین العوام والخواص کافی مشہور ہے، اگرچہ اس روایت کے بعینہ الفاظ مستند کتب تاریخ میں موجود نہیں ہیں، لیکن حافظ ابن کثیر نے ''البـدایه و النهایه'' کے اندر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ایک روایت نقل کی ہے جس میں مذکورہ الفاظ کا مفہوم پایا جاتا ہے، آپ لکھتے ہیں ''جب زمانہ طاعون عمواس میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر مقرر ہوئے تو آپ نے خطاب کرتے ہوئے لوگوں سے فرمایا، اے لوگو! یہ وبا (طاعون) آگ کے بھڑکنے کی طرح ہے پس تم پہاڑوں میں جاکر خود کو اس سے محفوظ کرلو! پس وہ اور دیگر حضرات منتشر ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ نے طاعون کی وبا کو ان سے دور فرمادیا، آگے روایت کے الفاظ ہیں ''فـبـلـغ ذالک عـمـر بـن

الخطاب من راء عمرو بن العاص فوالله ما كرهه ،، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات پہونچی تو انہوں نے اسکو ناپسند نہیں فرمایا'' (جلد ۴ ص ر ۸۰ دار الکتب العلمیۃ)

لہٰذا ان تمام نصوص سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ظاہری سبب کے طور پر پھیلنے والی بیماری کی جگہ یا شخص سے بچنا ضروری ہے، تاہم یہ عقیدہ نہ ہو کہ ایسی جگہ میں جانے سے یا رہنے سے یا ایسے شخص کے قرب سے بیماری کا لگنا یقینی ہے، رب قدیر ہمیں شرعی حدود میں رہتے ہوئے تمام تر احتیاطی اور حفاظتی امور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے اور اس وبا کی ہولناکی سے امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے، آمین

نئی نسلوں میں جذبۂ عشقِ رسول پیدا کریں

محمد عامر حسین مصباحی رسول گنج عرف کوئلی مدیر: سہ ماہی پیامِ بصیرت

کسی بھی قوم کی بقا اور اس کی تعمیر و ترقی کا انحصار نئی نسل کا درست سمت میں پروان چڑھنا ہے۔ زندہ دل اور بیدار قومیں نئی نسل کی علمی، فکری اور اخلاقی معیار کو بلند کرنے میں اپنی زیادہ تر توانائی خرچ کرتی ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ان کی بہترین تعلیم و تربیت پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی تو بھلے ہی قوم کا وجود برقرار رہ جائے مگر اس کی حیثیت صرف اور صرف زندہ لاش کی طرح ہوگی جس کی دنیا میں نہ کوئی حیثیت ہوگی اور نہ اپنا کوئی تشخص ہوگا پھر دنیا والے جب چاہئیں گے اپنا ذہنی و فکری غلام بنا کر ان پر اپنا مشن اور اپنی فکر مسلط کردیں گیا و راس طرح سے ایک آزاد قوم فکری اعتبار سے غلام بن کر رہ جائے گی۔ اسی لیے قومی انحطاط کے بچاؤ کے لیے نئی نسل پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

لیکن ماضی میں سب سے زیادہ زندہ دل اور بیدار رہنے والی قوم ''قوم مسلم'' کی نسلِ نو کا اگر ہم جائزہ لیتے ہیں تو بڑی مایوسی ہاتھ آتی ہے۔ قوم مسلم میں نئی نسل کے نوجوان نشاطِ عیش و طرب میں اس قدر ڈوبے ہیں کہ انہیں دین اسلام اور خدا اور رسول کی محبت بھی صرف سننے میں اچھی لگنے والی بات نظر آتی ہے۔ حالانکہ نوجوان کسی بھی ملک و قوم کی وہ بنیاد ہوتے ہیں جس پر اس ملک و قوم کے بہترین اور شاندار مستقبل کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ بنیاد مضبوط ہوگی تو عمارت بھی مضبوط و مستحکم ہوگی مگر آج ہماری بنیاد ہی کھوکھلی ہوتی جا رہی ہے۔ اگر اس پر جلد ہی توجہ نہیں دی گئی تو نقصان کا اندازہ کرنا بھی ہمارے لیے مشکل ہوگا۔

ہماری قوم میں پروان چڑھنے والے نوجوانوں میں جہاں علمی، اخلاقی، تہذیبی اور تمدنی کمیاں نظر آتی ہیں وہیں سب سے بڑی کمی جو نظر آتی ہے وہ تعلیم و تعلم، خوفِ خدا، محبت رسول علیہ السلام اور دینی جذبہ سے نوجوانوں کی دوری و لاتعلقی ہے اور یقیناً یہ ہمارے لیے بڑا المیہ ہے کہ مذکورہ چیزوں سے دوری کی بنا پر آج اسکول و کالجز میں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان مسلک بیزاری قول و فعل کو آزاد خیالی و روشن خیالی تصور کر کے گمراہیت و بدمذہبیت کے دَل دَل میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔ اسی لیے ضرورت ہے کہ جہاں ہم ان کی فکری اور اخلاقی اقدار کی کڑی نگرانی کریں وہیں ان کے قلوب و اذہان میں خشیتِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کا جذبہ بھی اس انداز میں ابھاریں کہ وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہو جائیں، ان کے دلوں میں عشقِ رسول ﷺ جاگزیں ہو جائے اور ناموسِ رسالت ﷺ پر حملہ ہونے کی صورت میں اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کرنے سے بھی دریغ نہ کریں یا کم از کم ملکی قوانین کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے احتجاج درج کرائیں اور اپنی سخت ناراضی کا اظہار کریں یہ نہیں کہ وقت اور حالات کا رونا رو کر بزدلی کا مظاہرہ کریں اور گستاخوں کو کھلی چھوٹ فراہم کردیں کہ جو بدبخت جب چاہے حضور کی ناموس پر حملہ آور ہو جایا کرے۔

آپ جنگِ بدر کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالیں تو ان میں وہ ننھے مجاہدین بھی ملیں گے جنھیں کم عمری کی بنا پر جنگ سے واپسی کا حکم ہوا مگر انھوں

نے جذبۂ عشقِ رسول میں سرشار ہوکر اپنی ایڑیاں اٹھا اٹھا کر تو کچھ آنسو گرا کر رحمتِ دو عالم ﷺ سے اپنی شرکت یقینی بنانے کی پُر زور کوشش کی اور انھیں کامیابی بھی ملی اور پھر میدانِ جنگ میں ہمت و جرأت اور شجاعت کا ایسا بے مثال مظاہرہ کیا کہ تاریخ میں اُن ننھے مجاہدین کے کارنامے سنہرے نقوش میں منقوش ہوگئے۔ جنگِ بدر کی تاریخ جاننے والوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ عفرا کے دو ننھے مجاہدین نے اُس گستاخِ رسول کا خاتمہ کیا جسے حضور علیہ السلام نے اپنے زمانے کا ''فرعون'' بتایا۔

مقامِ غور ہے کہ وہ کون سا جذبہ تھا جو ان ننھے مجاہدین کو گلیوں میں ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلنے کے بجائے آتشِ جنگ میں کودنے پر ابھار دیا، ان کی تعلیم و تربیت کیسی تھی جس نے بچپن میں ہی انہیں یہ شعور عطا کردیا کہ ناموسِ رسول پر اپنی جانیں قربان کردینا سعادتِ دارین کا سبب ہے۔

آج جبکہ ہر طرف سے دین و ایمان اور ناموسِ رسالت پر حملے ہورہے ہیں تو ضرورت ہے کہ ہم اپنی نئی نسلوں میں وہ جذبہ پیدا کردیں کہ گستاخانِ رسول ناموسِ رسالت پر حملہ کرنے سے پہلے ہزار بار سوچنے پر مجبور ہوجائیں کہ آج بھی قومِ مسلم میں سلمان تاثیر اور نرسنگھا نند سرسوتی جیسے خبیث کے لیے ایک ممتاز قادری، خادم حسین رضوی اور سلمان ازہری نہیں بلکہ ہزاروں ان صفات سے متصف جیالے موجود ہیں جو ناموسِ رسالت کے لیے اپنی جان دینے سے دریغ نہیں کریں گے اور نہ لینے سے۔ جب ہماری نسل کے ہر فرد میں یہ جذبہ آجائے گا تو ان کے ایمان و عقیدے پر کوئی ڈاکہ ڈالنے کی ناپاک کوشش نہیں کرے گا اور نہ ہی آزاد خیالی و روشن خیالی یا حقِ آزادیٔ رائے کی آڑ میں کوئی ان کے محبوب نبی ﷺ کے متعلق انہیں بدگمان کرے گا۔ اسی لیے ہر والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو ناموسِ رسالت پر پہرا دینے والا سپاہی بنادیں۔ ان کی دھڑکنوں میں نبی نبی ہو، ان کی خلوتوں اور جلوتوں میں نبی نبی ہو،

گانوں باجوں کی دُھن پر ناچنے اور مست ہوجانے کی بجائے انہیں رب کی حمد و ثنا اور حضور کی نعتیں سننا زیادہ پسند ہوں اور اسی سے ان کے دلوں کو سکون حاصل ہو، بزرگوں کے نعتیہ دیوان اور بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نعتیہ دیوان حدائقِ بخشش کے یہ اشعار جذبۂ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معاون ہوں گے۔

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا	جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اٹھائے کیوں؟
کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا	دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں
بد ہیں تو آپ کے ہیں بھلے ہیں تو آپ کے	ٹکڑوں سے تو یہاں کے پلے رخ کدھر کریں
لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے	اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

اس طرح کے اشعار بزرگوں کے سنائیں خود بھی سنیں اور اس کی توضیح و تشریح کریں، محبتِ رسول ﷺ کے واقعات سنائیں تو ہمیں کامیابی ملے گی ان شاء اللہ! اللہ رب العزت ہمیں حضور علیہ السلام کی سچی غلامی کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

قوم مسلم انحطاط کا شکار کیوں؟

مولانا محمد امتیاز احمد امجدی بنارس انڈیا

قوموں کا عروج و زوال تاریخ انسانی کا وہ باب ہے جو اصحاب عقل و خرد پر بالکل واضح ہے، تاریخ کے اوراق ایسی بیشمار اقوام کے تذکرے سے بھرے پڑے ہیں جن کے عروج و ارتقاء کا سورج کبھی خط نصف النہار پر ہوتا تھا، جن کی ترقی و بلندی کی وادی کبھی مرکز دل و نگاہ بنتی تھی، جن کے اوج و کمال کی داستانیں کبھی زبانوں کے لئے موضوع سخن ہوا کرتی تھیں، پھر وقت نے پلٹا کھایا، زمانے نے رخ موڑا، ہوا کے جھونکے سمت مخالف پر چلنے لگے، اب وہی قومیں ہیں جن کے عروج و بلندی کی حدیں کبھی جبال شامخہ کو شرماتی نہیں تھکتی تھیں، کمزور و لاغر

ہوکر رہ گئیں، گویا ان کے سورج کو گہن لگ گیا ہو، اب زبانوں پر ان کی عظمت ورفعت کے ترانے نہیں، ذلت وہزیمت کی داستانیں ہیں، دل و نگاہ میں ان کے اعتراف عروج کی بجائے ناکامی ونامرادی کی گونج ہے، معاشرے میں ان کی شان وشوکت کے چرچے نہیں، بلکہ انحطاط وتنزل کی کہانیاں سنائی جارہی ہیں۔

قوم مسلم کے بدلتے حالات:

قوم مسلم کو بھی ان دونوں موافق وناموافق حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے، کبھی اس کا ماضی بھی ایسا ہی تابناک ہوتا تھا کہ دوسری قومیں اس کی آغوش میں آکر بقعہ نور بن جایا کرتی تھیں، جن کی کامیابیوں کی حدیں ڈھونڈی نہیں جاسکتی تھیں، جن کی عظمتوں کے گیت نہ صرف اپنے الاپتے تھے بلکہ غیر بھی ان کی تعریفیں کرنا اپنی زبان کے لئے باعث شرف جانتے تھے، جن کی شرافت ونجابت کے نغموں کی گونج سے وادی دل ونگاہ جل تھل ہوجایا کرتی تھی، جن کے اخلاق وکردار کی بلندیاں قید نظر سے ماوراء ہوتی تھیں۔ مگر ایک طرف فلاح ونجاح کے سلسلے کیا منقطع ہوئے، فکر ونظر کی زمین کو شادابی بخشنے والے نقوش تابندہ پر بھی قدغن سا لگ گیا، اور نتیجۃً قوم مسلم کی شان وشوکت، عظمت ورفعت، فضیلت وعزت، طاقت وقوت، جاہ وحشمت ساتھ ساتھ قدر ومنزلت بھی چاہ ذلت وہزیمت کا شکار ہوگئی۔

آخر اتنا بڑا فرق کیوں کر واقع ہوا؟ وہ اسباب ومحرکات کیا ہیں، جن کی وجہ سے آسمانوں جیسی بلندی کو پستی کا منہ دیکھنا پڑا؟

یہ وہ سوال ہے جس نے دانشوران قوم کی بزم عقل میں کہرام مچادیا تھا، صاحبان فکر ونظر اور ارباب حل وعقد نے ان اسباب ومحرکات کے سدباب کے لیے فکرمندی کے اظہار کے ساتھ اس کے لیے لائحہ عمل بھی تیار کیا۔

بزم فکر وخیال کی آبلہ پائی کے بعد تخلیقی وتعمیری مزاج رکھنے والے ذمہ داران قوم وملت اس سوال کا جواب دیتے نظر آتے ہیں کہ قوم میں پھیلی برائیاں، غیر شرعی اختلاط مرد وزن، والدین کی نافرمانیاں، جہالت کی آندھیاں، علم وآگہی سے دوریاں، اخلاقی وفکری پستیاں ہی وہ اسباب ومحرکات ہیں جنہوں نے اقوام عالم کو عروج وکمال کے آسمان سے ہزیمت کی پستی کا رخ دکھایا ہے، لیکن اصل وجہ یہ نہیں ہے، اس لئے کہ اگر اصل اسباب فقط یہی ہوتے تو آج معیار تعلیم میں پہلے کے مقابلے قدرے ترقی دیکھی گئی ہے، والدین کی اتباع وفرمانبرداری اولاد کی عظیم ذمہ داری سمجھی جارہی ہے، نمازیوں کی تعداد میں بھی قدرے اضافہ ہوا ہے، اخلاق وکردار بھی کچھ حد تک نقطۂ عروج کی طرف گامزن ہیں، لیکن ان سب کے باوجود حالات بد سے بدتر ہورہے ہیں، کامیابی وکامرانی کی راہیں مسدود ہوتی چلی جارہی ہیں، قوم مسلم میں عروج وترقی کے آثار عنقاء ہوگئے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ اصل وجہ کیا ہے جس سے قوم ناکامیوں سے ہمکنار ہوئی؟

آیئے اس سوال کا جواب ہم قرآن پاک میں تلاش کرتے ہیں، قرآن حکیم نے گذشتہ قوموں کے زوال وانحطاط کی داستان واضح انداز میں بیان فرمادیا ہے، ان امم سابقہ میں چند قوموں کے زوال کے قصے مختصراً ہم سپرد قرطاس کرتے ہیں، پھر قرآن ہی سے اسباب زوال ومحرکات کمال کے جویا ہوتے ہیں تاکہ قوم کو پھر صحیح سمت پر گامزن کیا جاسکے۔

اصحاب مدین شعیب علیہ السلام کی قوم:

حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اللہ عزوجل کے محبوب ومقرب نبی گذرے ہیں، آپ کی زبان میں فصاحت وبلاغت کے اعلی نمونے پائے جاتے تھے، حسن استدلال لاجواب ہوتا، انداز کلام اتنا دلنشیں ہوتا کہ ہر سامع کے دل ونگاہ کو موہ لیتے، اسی وجہ سے آپ خطیب الانبیاء کے لقب سے ملقب کئے گئے، آپ کو اہل مدین کی طرف بھیجا گیا، یہ قوم یمن سے شام اور عراق سے مصر جانے والی شاہراہ پر آباد تھی، یہ شاہراہ بحیثیت تجارت بڑی مشہور ومعروف تھی، یہی وجہ تھی کہ اصحاب مدین ماہر تجارت ہونے کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر خوش حال تھے، مگر ان کی کم نصیبی یہ تھی کہ معاشی خوش حالی نے انہیں بھی دوسری قوموں کی طرح بت پرستی، ڈاکہ زنی، ناپ تول میں کمی اور اخلاقی پستی کا شکار بنادیا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام نے تبلیغی انداز میں اپنی قوم کو ان تمام برائیوں سے روکا، جسے رب جل وعلا کی

کتاب حکمت نے اس طرح بیان فرمایا:

''جب شعیب نے ان سے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیں، بے شک میں تمہارے لیے اللہ کا رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو، اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔ ناپ تول پورا کرو اور گھٹانے والوں میں نہ ہو، اور سیدھی ترازو سے تولو، اور لوگوں کی چیزیں کم کر کے نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو، اور اس سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا اور اگلی مخلوق کو'' ﴿الشعراء ۱۷۷ تا ۱۸۴﴾

محترم قارئین دیکھیں! اللہ عزوجل کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے کتنے دردمندانہ انداز بیان میں اس قوم کو سمجھایا، پھر مالدار قوم کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ان کے وعظ ونصیحت اور خیر خواہی کا مطمح نظر تحصیل مال ہے، لہذا صاف وصریح لفظوں میں فرمادیا کہ مجھے اجرت کی خواستگاری نہیں، بلکہ اصلاح احوال مقصود ومطلوب ہے، مگر جو قوم دولت کے نشے میں مست ہو کر غرور وتکبر کے دلدل میں پھنس جائے، پھر ایسی قوم اگر ذلت ورسوائی کے قعر عمیق میں ڈال دی جائے تو کیا عجب ہے؟ چنانچہ قوم کے مغرور سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام کے جواب میں انتہائی گستاخانہ لب ولہجہ اختیار کیا، قرآن پاک نے کفار ومشرکین مکہ کے ساتھ مسلمانوں کو بھی ان کی اس گستاخانہ باتوں سے آگاہ فرماتا ہے:

''بولے تم پر جادو ہوا ہے، تم تو نہیں مگر ہم جیسے بشر اور بے شک ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں، تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو اگر تم سچے ہو'' (الشعراء ۱۸۵ تا ۱۸۷)

مذکورہ قرآنی فقرے میں قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مسحور، اپنے جیسا بشر، اور جھوٹا کہہ کر ان کی توہین وتذلیل کی، پھر اسی توہین وبے ادبی کے سبب اللہ عزوجل نے اس قوم کو ہلاک فرما کر بعد والوں کے لیے نشان عبرت بنادیا، جس کا تذکرہ اس آیت میں ملاحظہ ہو:

''تو انہوں نے اسے جھٹلایا، تو انہیں شامیانے والے دن کے عذاب نے آلیا، بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا، بے شک اس میں ضرور نشانی ہے، اور ان میں بہت مسلمان نہ تھے، اور بے شک تمہارا رب ہی عزت والا مہربان ہے'' (الشعراء ۱۸۹ تا ۱۹۱)

اصحاب مدین کا یہ عبرت ناک سانحہ ہمیں درس عبرت دیتا ہے کہ انبیاء کی توہین وبے ادبی ہی وہ سبب حقیقی جس کا نتیجہ صرف اور صرف تباہی وبربادی اور پسپائی ورسوائی ہے۔ یاد رکھیں قرآن پاک میں جابجا سابقہ انبیا کرام کی قوم پر عذاب کے تذکرے گذرے ہیں، اگر ان قوموں کے حالات پر ذرا سا غور کر لیا جائے تو یہ سمجھنا ذرا دشوار نہیں کہ جب تک ان قوموں نے وجود باری تعالی کے انکار کے گستاخی کی اور جھٹلایا تب تک عذاب نا آیا لیکن جیسے ہی اس کے نبی کی شان میں گستاخی کی انہیں سخت عذاب نے آلیا۔

قوم موسی علیہ السلام:

حضرت موسی علیہ السلام اللہ عزوجل کے جلیل القدر رسول اور کلیم ہیں، آپ کو توریت جیسی پاک کتاب عطا کی گئی، آپ بنی اسرائیل کی ہدایت ورہنمائی کے لیے مبعوث کئے گئے، قرآن حکیم نے کئی مقامات پر بنی اسرائیل پر اپنے فضل کرم اور نوازش اتم کا تذکرہ فرمایا ہے، انہیں نوازشات میں یہ تذکرہ بھی ملتا ہے کہ بنی اسرائیل فرعونیوں کے ظلم وستم کے آلہ کار تھے، فرعونی ان کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے، ہر وقت جبر وتشدد کا بازار گرم رہتا تھا، حضرت موسی علیہ السلام کی بعثت کے بعد اللہ عزوجل نے انہیں فرعونیوں کی شکنجے سے نجات عطا کی، جس کا تذکرہ قرآن پاک میں کچھ اس انداز میں بیان کیا گیا، ملاحظہ کریں:

''اور یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات بخشی کہ تم پر بڑا عذاب کرتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بلا تھی، اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا پھاڑ دیا تو تمہیں بچا لیا اور فرعون والوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا'' (البقرۃ ۴۹ و ۵۰)

قرآن پاک نے احسانات گنائے، اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حضرت موسی علیہ السلام کے صدقہ وطفیل جس قوم کو جان بخشی گئی، مصائب وآلام کے دلدل سے نکالا گیا، خوش حالی عطا کی گئی، وہ حضرت موسی علیہ السلام کی تعظیم وتوقیر میں سراپا حاضر رہتے، آپ سے شرف انتساب ہی کو اپنی

قسمت کی معراج سمجھتے، مگراس کے برخلاف جلیل القدر پیغمبر پر گستاخانہ لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے طرح طرح کے اعتراضات کر بیٹھے، اور عذاب الٰہی کا شکار ہوکر سامان تذکیر ونشان عبرت بن گئے، قرآنی بیان سنیں!

''اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے تجھ پر، جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر، پس اس گستاخی پر آلیا کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے'' (البقرۃ ۵۵)

''لن نؤمن لک '' کے تحت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں فرماتے ہیں، اس سے شان انبیاء معلوم ہوتی ہے کہ ''لن نؤمن لک'' (ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے) کہنے کی شامت میں بنی اسرائیل ہلاک کئے گئے۔

دیکھا آپ نے شان انبیاء میں توہین وبےادبی نے کسی گھاٹ کا نہ چھوڑا، بنی اسرائیل اسی سبب سے ذلیل ورسوا کر کے رکھ دیئے گئے، زوال وپستی کی ایسی داستان رقم ہوئی کی رہتی دنیا تک جسے بھلایا نہیں جاسکتا۔

یہاں صرف دوقوم کے تذکرہ پر اکتفا کیا گیا، ورنہ اس طرح کی بہت سی اقوام عالم کی تباہی وبربادی، زوال وپسپائی کے تذکروں سے قرآن حکیم کے اوراق گونج رہے ہیں، اور بنظر عمیق دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ تمام اقوام کی ہلاکت کے سبب میں قدرے اشتراک ہے، اور وہ سبب حقیقی واصلی توہین شان انبیاء ہی ہے۔

امت محمدیہ:

یہ امت خیر امم قرار دی گئی، اسے دوسری امتوں پر فضیلت وبرتری حاصل ہوئی، اللہ عزوجل اس امت کو گذشتہ امتوں کی طرح یک بارگی عذاب میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا، جس کا روشن بیان ''ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم '' (الأنفال ۳۳) میں ملاحظہ ہو، اسی لئے تو موقع بموقع کتاب حکمت میں اپنے محبوب کے ادب کی تعلیم دی جارہی ہے کہ اگر محبوب سے کچھ عرض کرنا ہو تو آواز میں پستی ونرمی ہو، ان کے ساتھ چلو تو ان کے نقش قدم کی اتباع کرو، ان کے گھر جاو تو سراپا انتظار بنے رہو، آواز دینے سے باز رہو، پھر محبوب سے ملاقات ہوجائے تو کام سے فارغ ہوکر رخصت چاہو، بیٹھ نہ جاو کہ محبوب پر شاق ہو، یہ دربارشاہی کے آداب اسی وجہ سے تو سکھائے جارہے ہیں کہ اگر کہیں کسی طور شان محبوب اعظم میں گستاخی وبےادبی ہوگئی تو زندگی کی ساری کمائی اکارت جائے گی، سب عبادت وریاضت ناقابل قبول ٹھہریں گی، بلکہ مردود کردیئے جائیں گے۔ جن سے صاف ظاہر کہ تعظیم مصطفیٰ وانبیاء علیہم التحیۃ والثناء ہی تمام تر عروج وکمال کا محرک بے مثال ہے، اور توہین شان مصطفیٰ وانبیاء ہی ہزیمت وزوال کا سبب اصلی وحقیقی ہے، کمال لازوال کی دولت سے ہمکناری، تعظیم وتوقیر نبی کریم بجالانے میں ہے، ورنہ بصورت دیگر زوال وپسپائی مقدور ومقسوم ابدی ہوگا، اللہ عزوجل ہمیں واصف انبیاء علیہم التحیۃ والثناء بنائے، آمین

چلو مسجد اقصیٰ کی طرف

از: مولانا محمد صادق رضا مصباحی

مسجد حرام اور مسجد نبوی کا سفر کرنے والے اگر مسجد اقصیٰ کا سفر بھی کرتے اور اس مقدمے کو انسانی بنیادوں سے زیادہ مذہبی بنیادوں پر لڑتے تو ممکن تھا کہ آج فلسطینی اس قدر مظالم نہ جھیل رہے ہوتے، مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد تاریخ اسلامی کا تیسرا مقدس ترین مقام اور اسلام کی عظیم ترین نشانی مسجد اقصیٰ ہے، جسے ہم بیت المقدس بھی کہتے ہیں۔ (یہ وضاحت ضروری ہے کہ بیت المقدس ایک بہت بڑے احاطے کا نام ہے جس کے اندر کئی مقامات مقدسہ ہیں انہی میں ایک مسجد اقصیٰ ہے۔ میڈیا کے ذریعے ہم جو تصویر دیکھتے ہیں وہ دراصل ایک مقدس مقام قبۃ

الصخریٰ کی ہے) اس کی قدامت قریب قریب اتنی ہی ہے جتنی کہ مسجد حرام کی۔ دونوں کے بانی ایک ہی نبی ہیں، دونوں کی تعمیر جدید بھی انبیا نے کی، دونوں ہی کے صحن میں نبیوں نے نمازیں ادا فرمائیں، دونوں ہی مساجد کو قبلہ بننے کا شرف حاصل ہے، مسجد اقصیٰ قبلہ اول ہے اور مسجد حرام موجودہ قبلہ۔ اس خصوص میں مسجد اقصیٰ کو ایک اضافی خصوصیت بھی حاصل ہے کہ یہاں سے رجب کی ۲۷ ویں شب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب العلمین سے ملاقات کے لیے آسمانی سفر پر تشریف لے گئے اور یہیں تمام انبیا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں ایک ساتھ نماز ادا فرمائی۔ مسجد حرام کے تعلق سے کم از کم ہمیں تو ایسی کوئی روایت نہیں ملی جس میں تمام انبیا کا جلسہ ہوا ہو اور اس میں ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم مہمان خصوصی ہوں۔ یہ شرف صرف اور صرف مسجد اقصیٰ کے پاس ہے۔

اسی لیے ہم مسلمان جس طرح مسجد نبوی اور مسجد حرام سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں اسی طرح مسجد اقصیٰ بھی ہماری گہری عقیدتوں کا مرکز ومنبع ہے مگر گزشتہ کئی دہائیوں سے ہم نے مسجد اقصیٰ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے اس نے ہماری عقیدت، ہماری وراثت، ہماری روایت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے عشق ومحبت کی نوعیت پر کئی قسم کے گہرے ہولناک سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔ ان میں ایک اہم ترین اور بنیادی سوال یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم مسجد حرام اور مسجد نبوی کے سفر کے لیے تو اپنے دل میں زبردست تڑپ رکھتے ہیں اور ایک ایک پیسہ جوڑ کر سفر حج کو جاتے ہیں مگر وہ تڑپ، وہ جذبہ، وہ جنون، وہ شوق، وہ اظہار وابستگی اور وہ حوصلہ مسجد اقصیٰ کے لیے نہیں جٹا پاتے۔ حالاں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثواب اور عبادت کی نیت سے جن تین مساجد کی طرف سفر کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ یہی تینوں مساجد ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسْجِدِ الأَقْصَى (صحیح بخاری: حدیث نمبر ۱۱۸۹)

یعنی (ثواب کی نیت سے) صرف تین مسجدوں کا ہی سفر کرو: مسجد حرام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد یعنی مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

یہ مبارک مسجد، عظمت واحترام اور فضیلت کے اعتبار سے مسجد حرام اور مسجد نبوی کے قریب قریب ہم پلہ ہے یا یوں کہیے کہ دوسرے درجے کی ہے۔ مختلف احادیث مبارکہ میں مختلف طرق سے اس کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کا کیا انعام ملتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ صَلَاةً وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُجَمَّعُ فِيهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى بِخَمْسِينَ أَلْفِ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِينَ أَلْفِ صَلَاةٍ وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ (سنن ابن ماجہ: حدیث نمبر ۱۴۱۳)

ترجمہ: (ثواب کے اعتبار سے) آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک نماز کے برابر ہے،، اس کی نماز محلے کی مسجد میں پچیس نمازوں کے برابر ہے، اس کی نماز جامع مسجد میں پانچ سو نمازوں کے برابر ہے، اس کی نماز مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے، اس کی نماز میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور اس کی نماز مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

اس حدیث میں بتایا گیا کہ مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ایک ہی ثواب ہے یعنی پچاس ہزار نمازیں پڑھنے کا ثواب۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نسبت مسجد نبوی کو ہے تقریباً وہی نسبت مسجد اقصیٰ کو بھی ہے۔ مسجد اقصیٰ مدینہ منورہ سے (بذریعہ سڑک) ۱۳ گھنٹے ۴۲ منٹ کی مسافت پر ۹۱۹ کلومیٹر دور واقع ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مسجد اقصیٰ کو نسبت حاصل ہے لہذا وہاں سے اس قدر سرد مہری کا اظہار مناسب معلوم نہیں ہوتا، صاحبان ثروت کو اس جانب توجہ دینے کی خاص ضرورت ہے۔

مسجد اقصیٰ کی عظمت پر قرآن کریم گویا ہے:

سُبْحَانَ الَّذِی اَسْریٰ بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِی بارَکْناحَوْلَهُ لِنُرِیَهُ مِنْ آیاتِنا إِنَّهُ هُوَ السَّمِیعُ الْبَصِیرُ (سورۃ الاسراء: آیت نمبرا)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی، جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم انھیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ یقیناً وہ ذات ہر بات سننے اور دیکھنے والی ہے۔

یہاں تین چیزیں بطور خاص سمجھنے کی ہیں:

﴿۱﴾ مسجد اقصیٰ کو اللہ عزوجل نے آیات کے زمرے میں شامل کر کے اسے اپنی نشانی قرار دیا۔

﴿۲﴾ حَوْلَہٗ سے یہ اشارہ کیا گیا کہ جب مسجد اقصیٰ کے اردگرد برکات رکھی گئی ہوں، اس کے اطراف وجوانب، اس کے مضافات، اس کی فضاؤں اور اس کے ماحول کو برکات سے مزین کیا گیا ہو حتیٰ کہ اس پوری سرزمین کی نہروں، درختوں، پھلوں اور پھولوں کو بھی برکات کی چادر سے ڈھانک دیا گیا ہو تو پھر عین مسجد اقصیٰ یا اندرون مسجد کی برکات کا کیا کہنا۔ ظاہر ہے جس جگہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی ہو، تمام انبیاے کرام نے ان کی اقتدا میں نماز ادا کی ہو اور اسی جگہ سے سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے ملاقات کی خاطر معراج کے لیے تشریف لے گئے ہوں اس جگہ کی برکتوں اور عظمتوں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

﴿۳﴾ یہ آیت حضور صلی اللہ وسلم کی عظمت وشان کی مظہر بھی ہے۔ مسجد اقصیٰ سفر معراج کی شب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل تھی۔ یہاں کچھ دیر رکے پھر آسمانی سفر پر تشریف لے گئے چنانچہ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پاک کی برکت سے مسجد اقصیٰ کے اس پورے ماحول اور علاقے کو ہی ہمیشہ کے لیے پرنور بنادیا، اس کی فضاؤں کو برکتوں سے معمور کردیا اور اس پیغام کو قیامت تک کے لیے محفوظ بھی کردیا۔ واقعی پورا قرآن میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔

یہاں سوال ہم جیسے نکموں سے ہے جو قدم قدم پر اپنے نبی سے محبت کا دم بھرتے ہیں، ہم جیسے بدعمل ''عاشقان رسول'' سے ہے جو گستاخان رسول کے سر کو تن سے جدا کرنے کے لیے مظاہرے کرتے ہیں، دھرنے دیتے ہیں، سڑکیں بلاک کردیتے ہیں، اخباری بیان بازیاں کرتے ہیں، اسٹیجوں سے تقریریں کرتے ہیں اور جو حضرات گستاخ رسول کے قتل کے حق میں نہ ہوں انہیں ان کی مسلمانیت پر عار دلاتے ہیں۔ افسوس ہمیں ''دینی مظاہرے'' تو یاد رہے مگر مسجد اقصیٰ کی طرف ترغیب دلانے والی اپنے نبی کی مبارک احادیث یاد نہیں رہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پاک کی وہ نسبت یاد نہیں رہی جو بیت المقدس کی عظمت پر نص اترنے کی موجب بنی اور ہمیں خدا کی وہ آیت (نشانی) یاد نہیں رہی جو قیامت تک کے لیے ہماری عظیم میراث ہے۔ جو کام ہمارے بس میں ہے اسے حکمت ومصلحت کی کھونٹی پر ٹانگ دیا، اور جو کام ہمارے بس کا نہیں اس کے لیے آسمان سر پر اٹھالیا۔ واہ واہ کیا کہنے ہمارے ''عشق نبی'' کے۔ اس مقدس مسجد کو ظالم یہودیوں کے پنجے سے چھڑانا تو بہت دور کی بات ہے ہم نے وہاں کا سفر بھی ترک کردیا، اور ستم یہ ہوا کہ اسے اپنی حکمت اور مصلحت سے تعبیر کیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس مسجد کی عظمت وبرکت کا ایک اور نشان دیکھیں اور سوچیں کہ آخر ہم نے کیوں خود کو اس کی زیارت کے ثواب سے محروم کر رکھا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں:

سَاَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَوَّلِ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِی الْاَرْضِ؟ قَالَ: الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ: ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ: الْمَسْجِدُ الْاَقْصَی قُلْتُ: كَمْ بَیْنَهُمَا؟ قَالَ: اَرْبَعُونَ عَامًا ثُمَّ الْاَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ فَحَیْثُمَا اَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ

فَصَلِّ (صحیح مسلم: حدیث نمبر ۱۰۲۵)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روئے زمین پر سب سے پہلے تعمیر کی جانے والی مسجد کے حوالے سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے سوال کیا: پھر کون سی مسجد؟ آپ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے سوال کیا: ان دونوں کی تعمیر کے دوران کتنا وقفہ ہے؟ آپ نے فرمایا: چالیس سال۔ پھر پوری زمین تمہارے لیے مسجد ہے، جہاں بھی تمہیں نماز کا وقت آ جائے، نماز پڑھ لو۔

حدی پاک بیان کر رہی ہے کہ دنیا میں اللہ کی وحدانیت کا اعلان کرنے والی سب سے پہلی مسجد، مسجد حرام ہے، پھر اس کے بعد مسجد اقصیٰ اور دونوں کی تعمیر میں چالیس سال کا وقفہ ہے۔

مسجد حرام کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی اور مسجد اقصیٰ کے بانی بھی حضرت آدم ہی ہیں۔ البتہ مسجد حرام بلکہ یوں کہہ لیں کہ کعبہ مقدسہ کی تعمیر جدید حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر تجدید حضرت یعقوب علیہ السلام یا حضرت داود علیہ السلام نے کی لیکن اس کی تکمیل کا فریضہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعے انجام کو پہنچا۔ بیت المقدس کی یہ سرزمین انبیاے بنی اسرائیل کا مسکن رہی ہے جن میں حضرت داؤد، حضرت یعقوب، حضرت سلیمان، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت اسحٰق، حضرت ابراہیم علیہم السلام کے اسماے گرامی تاریخ نے محفوظ کر دیے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی سرزمین سے اپنی مقدس دعوت کا آغاز فرمایا، یہ سرزمین نہ جانے کتنے انبیاے کرام اور اولیا عظام کا مدفن ہے۔ یہ مہبط ملائکہ ہے، یہاں وحی نازل ہوئی ہے اور یہی وہ سرزمین ہے جہاں قیامت قائم ہوگی اور جہاں شروع سے اخیر تک کے سارے انسان جمع ہوں گے۔

مسلمانوں کی یہ مقدس میراث حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے ہی مسلمانوں کے پاس رہی۔ ۱۴ ہجری میں حضرت عمر فاروق اعظم کے زمانے میں بیت المقدس فتح ہوا، ۴۸۹ برسوں تک یہ مسلمانوں کے پاس رہا پھر ۴۹۳ھ میں پہلی صلیبی جنگ ہوئی اور یہ صلیبیوں کے ہاتھ میں چلا گیا، حضرت صلاح الدین ایوبی نے نوے سال کے بعد ۵۸۳ھ میں بیت المقدس فتح کیا اور یہ ۱۹۴۷ء تک مسلمانوں کے پاس رہا مگر ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو باقاعدہ طور پر فلسطین کی ہی پچپن فیصد جگہ پر ناجائز قبضہ کر کے ایک آزاد ملک اسرائیل کا اعلان کر دیا گیا۔ ان ۹۰ سالوں کے علاوہ عہد فاروقی سے ۱۹۴۸ء تک بیت المقدس ہمارے ہی پاس تھا۔ اِدھر ۷۲، ۷۳ سالوں سے غاصب یہودی اس پر قابض ہیں، مگر آج بھی مسجد اقصیٰ اس کا انتظام وانصرام اردن کی ''وزارتِ اوقاف اور شؤنِ مقدّساتِ اسلامیہ'' کے تحت ہے۔

مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا وہ عظیم ترین سرمایہ ہے جس کے لیے مسلمانوں نے بے شمار جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے، جس کے لیے ترکی کی ساڑھے چھ سو سالہ عثمانی سلطنت کے حصے بخرے کر دیے گئے اور جس کی وجہ سے آج بھی فلسطینی مسلمان شہید کیے جا رہے ہیں۔ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان کئی جنگیں ہو چکی ہیں اور جھڑپیں تو روز کا معمول ہیں جس میں زیادہ تر نقصان فلسطینیوں کا ہی ہوتا ہے مگر دنیا کا کوئی بھی ملک عملی طور پر ان مظلوم فلسطینیوں کے لیے کچھ نہیں کر رہا۔ ظاہر ہے جب ہم ہی اپنے لیے کچھ نہیں کریں گے تو دوسرا کیوں ہماری مدد کرے گا۔ ہم جب خود ہی اپنی اس مقدس امانت کو فراموش کیے بیٹھے ہیں تو دوسرا کیوں ہمارے لیے لڑے گا۔ ہر انسان کو اپنے حق کی لڑائی خود لڑنی پڑتی ہے۔ لڑائی لڑنے کے بہت سے طریقے ہیں، ایک عملی اقدام یوں بھی کیا جا سکتا ہے کہ اہل ثروت حضرات حرمین شریفین کے ساتھ بیت المقدس کے سفر کا بھی قصد کریں۔ اگر ہم مسجد اقصیٰ کا سفر کریں تو ایک طرف ہم مذکورہ حدیث نبوی پر عمل بھی کریں گے اور وہاں کی برکات سے خود کو مستفیض کریں گے، تو دوسری جانب اپنے ان فلسطینی بھائیوں کی حوصلہ افزائی کا سبب بھی بنیں گے، جو ستر سالوں سے لگاتار اسرائیلی بربریت کا شکار ہیں، اور بے سروسامانی کے باوجود اسرائیل کے جدید ترین ہتھیاروں کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ ان فلسطینی نوجوانوں کی ہمت دنیا بھر کے مسلمانوں کو پکار رہی ہے، انہیں بھولا ہوا سبق یاد دلا رہے ہیں۔ ۵۶ مسلم ممالک کے باوجود ہماری آواز کمزور ہے۔ ستر سالوں سے لگاتار اسرائیل کا حجم بڑھتا جا رہا ہے اور فلسطین کا رقبہ سکڑتا چلا جا رہا ہے۔ یہ سراسر ظلم ہے مگر انسانیت کی بات کرنے والے اس بدترین ظلم

پرخاموش ہیں۔ ہرسال ماہ رمضان المبارک میں اسرائیلی فوجیوں کے پیٹ میں درد شروع ہوجاتا ہے اوروہ فلسطینیوں پر اچانک حملے شروع کردیتا ہے،لیکن امسال تو حد ہی ہوگئی۔ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھ رہے مسلمانوں پراچانک حملہ کردیا گیا، پوری مسجد کو یرغمال بنالیا گیا اوراس کے بعد ۱۱ر دنوں تک لگاتار یہ طوفان بدتمیزی جاری رہا۔ دنیا کے کئی ممالک اسرائیل کے ساتھ کھڑے ہیں۔سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ۵۶ مسلم ممالک کی تنظیم او آئی سی بھی صرف جلسہ کرتی ہے، اور مذمتی قرارداد پاس کرکے خاموش بیٹھ جاتی ہے۔ دراصل وہ اس کے سوا کچھ کربھی نہیں سکتے کیوں کہ بیشتر عرب ممالک کے حکمراں ضمیر فروش ہیں، صرف اسلامی لبادہ میں ہیں، اندرونی طور پر وہ انہی کافروں جیسے ہیں جن کے لیے مفادات ہی سب سے عزیز ہوتے ہیں۔

بیت المقدس یہودیوں کے نزدیک ان کے مذہب کا مقدس ترین مقام ہے۔ان کے عقیدے کے مطابق ان کا آخری مسیحا یہیں آئے گا۔ بیت المقدس کے علاوہ ان کے کئی دیگر مقدس مقامات بھی یہیں آس پاس ہیں اس لیے وہ اس سرزمین کو اپنی پونجی سمجھتے ہیں اوراس راہ میں آنے والی ساری رکاوٹوں کو ختم کرنے کے لیے وہ کسی بھی حد تک چلے جاتے ہیں۔ ہمارے عقیدے میں بھی بیت المقدس کا مقام بہت عظیم ہے ۔ یہودیوں کا منصوبہ ہے کہ وہ بیت المقدس پر قبضہ کرکے اس پر مکمل کنٹرول حاصل کرلیں، اور مسلمانوں کے داخلے پر پابندی عائد کردیں۔ وہ اپنے منصوبے میں حتی الامکان کامیاب بھی ہوتے نظر آرہے ہیں، یہاں ہماری ذمے داری بڑھ جاتی ہے کہ کس طرح سے اس منصوبے کو ناکام بنایا جائے ،شاید بیت المقدس کی زیارت کے لیے شدرحال ایک بہترین پہل ہوسکے، تاکہ فلسطینی مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہو اورانہیں یہ احساس نہ ہو کہ وہ دنیا میں یکہ وتنہا رہ گئے ہیں۔ بیت المقدس کی حفاظت صرف فلسطینی مسلمانوں کی ہی نہیں بلکہ ہماری بھی ذمہ داری ہے۔ہم سے ہماری ذمے داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ بوہرہ فرقے کے یہاں سال میں ایک مرتبہ بیت المقدس کا سفر لازمی طور پر کیا جاتا ہے۔ یہ ان کے عقیدے کا حصہ ہے ہمیں بھی اس طرح کا کوئی اقدام کرنا چاہیے، سوچنے کا مقام ہے کہ اگر بوہرہ، مشکلات اورخوف کے باوجود وہاں کا سفر کرسکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں کرسکتے۔ بوہریوں کے علاوہ بہت سارے سیاح بھی شوقیہ طور پر یا مذہبی جذبے کے ساتھ وہاں کا سفر کرتے ہیں۔ دراصل جب شوق دامن گیر ہو تو بڑی سی بڑی مشکلات بھی بکھر جاتی ہیں اور ہمارے لیے تو ہماری عقیدت اور ہماری میراث ہی سب سے بڑی حقیقت ہے اس لیے مشکلات اور حالات کی ابتری کوئی معنی نہیں رکھتی۔اگر آج بھی مسلمان بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوجائیں تو ممکن ہے کہ ہم اسرائیلی مظالم کو بالکلیہ ختم نہ کرسکیں لیکن شاید کم ضرور کردیں۔ اگر کچھ اور نہیں کرسکتے تو یہی کریں اور قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خود کو شرمسار ہونے سے بچائیں۔

”میرا یہ بچہ ان شاء اللہ بہت بڑا عالم ہوگا“

بموقعہ ۸۹ واں یوم ولادت ۲ رشوال المکرّم

محمد نعیم اسماعیلی امجدی شعبۂ تحقیق جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو یو: پی

جو بات جذب کے عالم میں نکلے لبِ مومن سے	وہ بات حقیقت میں تقدیرِ الٰہی ہے

اللہ والوں کے مقام ومرتبہ تک رسائی حاصل کرپانا بہت مشکل ہے۔ان کی شان اتنی اعلیٰ وارفع ہوتی ہے کہ حدیث قدسی کے بموجب کان تو ان کے ہوتے ہیں مگر سننا خالق کائنات کا ہوتا ہے۔ ہاتھ ان کے ہوتے ہیں مگر گرفت قدرت الٰہی کی ہوتی ہے۔ گویا ان کے جلووں میں قدرت الٰہی جلوہ نُما ہوتی ہے۔ بولتے تو وہ ہیں مگر ان کے کلمات تقدیر الٰہی بن جاتے ہیں۔

انہیں اللہ والوں میں سے ایک اللہ والے نے اپنے ننھے سے بچے کے بارے میں، جس کی عمر بمشکل پانچ سال کی رہی ہوگی ، پارۂ عم

پڑھاتے ہوئے کہہ دیا تھا ''میرا یہ بچہ ان شاء اللہ بہت بڑا عالم ہوگا'' دنیا نے دیکھا وہ فرمان ایسا صادق ہوا کہ آج اُس کے معاصرین میں کوئی اس کا ہمسر عالم نظر نہیں آتا۔ میں بات کر رہا ہوں حضرت حضور محدث کبیر دامت برکاتہم العالیہ کی، آپ ۲؍شوال المکرّم ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۷؍اکتوبر ۱۹۳۵ء، یا ۱۹۳۶ء بروز یکشنبہ کاشانۂ امجدی میں جلوہ بار ہوئے۔

رسم بسم اللہ خوانی کی ادائیگی خود والد ماجد حضور صدر الشریعہ علامہ حکیم ابوالعلا محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے فرمائی، اور اردو کی بنیادی کتابیں بھی آپ ہی نے پڑھائیں، اور لکھنا بھی سکھایا، پھر چند ایام تک حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے بڑے بھائی حکیم احمد علی مرحوم سے ابتدائی کتابوں کا درس لیا۔ اور پھر ناگپور حضرت فیض العارفین حضرت غلام آسی پیا علیہ الرحمہ سے اکتساب فیض کے لیے روانہ ہو گئے۔ درس نظامی کی ابتدائی تعلیم اور فیوض و برکات آسی پیا علیہ الرحمہ حاصل کرنے کے بعد شوال المکرّم ۱۳۶۹ھ میں حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنی خاص عنایتوں سے مالا مال کیا، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خود حضور محدث کبیر فرماتے ہیں کہ حضور حافظ ملت مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے: سنو! اگر علم شربت کی طرح پلانے کا ہوتا تو اس کا گلاس میں سب سے پہلے تم کو دیتا''۔ شب روز کی مسلسل محنت اور خاص فیضان حافظ ملت کے سایہ میں رہنے کے بعد حضور محدث کبیر کو حافظ ملت علیہ الرحمہ نے وہ سب کچھ عطا کر دیا جو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حاصل کیا تھا۔ ہوا کُچھ یوں کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے حضور محدث کبیر دام ظلہ کو اپنے ساتھ لے کر مزار حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ پر حاضری دی، اجازت و خلافت دینے کے بعد بارگاہ فقیہ اعظم ہند میں عرض کیا ''حضور جو کچھ آپ نے مجھے عطا فرمایا تھا وہ سب آپ کے لخت جگر کے حوالے کیا''۔

ظاہر ہے کہ علم وحکمت، تصوف وسلوک، زہد وتقوی، فضل و بزرگی، اور رضوی چشمے سے نکلنے والی چار نہروں سے اکتساب علم وفیض کیا تھا آپ نے، یہی وجہ بنی کہ دنیا نے آپ کو ممتاز الفقہاء سلطان الاساتذہ رئیس المناظرین غیظ المنافقین والمرتدین امیر المومنین فی الحدیث حضور محدث کبیر جیسے ممتاز القاب سے یاد کرتی ہے۔ ہر لقب گویا آپ ہی کے لیے بنا ہو، حالت یہ ہے کہ آپ کی ذات سے منسلک جتنے القاب ہیں اگر ان القاب میں سے کسی ایک بھی لقب کا کسی دوسرے کے لیے استعمال کیا جائے تو مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

رب کے فضل سے دور حاضر اور ماضی قریب میں احقاق حق وابطال باطل میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔ کئی مناظرے کیے، سیکڑوں تقریریں فرمائیں، ہزاروں فتاویٰ لکھے، بلکہ فتاوی لکھنے والی ایک بڑی جماعت پیدا کی، وہابیت زدہ علاقوں میں سنی علماء بھیج کر عوام اہل سنت کی بروقت رہنمائی فرمائی اور سنّیت کے دو عظیم قلعے قائم فرمائے جن میں سے ایک کا نام ''جامعہ امجدیہ رضویہ'' اور دوسرے کا نام ''کلیۃ البنات الامجدیہ'' ہے۔ آپ کی حیات اور دینی خدمات بیان کرنے کے لئے کئی سوصفحات بھی کم پڑ جائیں گے، لیکن حیات حضور محدث کبیر کتاب ہوتے ہوئے راقم کو خامہ سرائی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس قرب قیامت کے ماحول میں آپ کی ذات اس شعر کی مصداق اتم ہے۔

یہ غنیمت ہے کہ فروزاں ہیں ابھی چند چراغ	اٹھتے ہوئے بازار سے اور کیا چاہتے ہو

اللہ تعالیٰ حضور محدث کبیر کو عمر خضر عطا فرمائے، اور آپ کے فیضان علم وحکمت سے ہم سب اہل سنت والجماعت کو مالا مال فرمائے۔

منقبت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ ﴿برصنعت توشیح﴾

نتیجۂ فکر: **مولانا سید شہباز اصدق** (ساوتھ افریقہ)

انتخابِ مصطفیٰ اختر رضا خاں ازہری	افتخارِ اولیا اختر رضا خاں ازہری
خوب تر ذاتِ مقدّس مظہرِ احمد رضا	خوب رونوری ادا اختر رضا خاں ازہری
تربتِ تاجِ شریعہ منبعِ انوارِ حق	تابشِ صدق و صفا اختر رضا خاں ازہری
رہبرِ راہِ شریعت داعیِ دینِ نبی	رب تعالیٰ کی عطا اختر رضا خاں ازہری
رہ روِ راہِ طریقت نائبِ غوث الوریٰ	رونقِ بزمِ ولا اختر رضا خاں ازہری
ضربِ حیدر ذوالفقارِ حیدری عکسِ علی	ضیغمِ دینِ خدا اختر رضا خاں ازہری
اخترِ حق سے منور عالمِ اسلام ہے	اسمِ احمد کی ضیا اختر رضا خاں ازہری
ازہری فیضان سے روشن ہوا سارا جہاں	اہلِ دل اہلِ وفا اختر رضا خاں ازہری
زیب ہے تاجِ شریعت کو سیادت دین کی	زینتِ بزمِ سخا اختر رضا خاں ازہری
ہیں شبیہِ مفتیِ اعظم شہِ عالی وقار	ہادیِ راہِ ہدا اختر رضا خاں ازہری
راسخِ علمِ شریعت صاحبِ مجد و علا	رشکِ بزمِ اصدقا اختر رضا خاں ازہری
یادِ حق تھا مشغلہ شہباز ان کا ہر گھڑی	یادگارِ صوفیا اختر رضا خاں ازہری